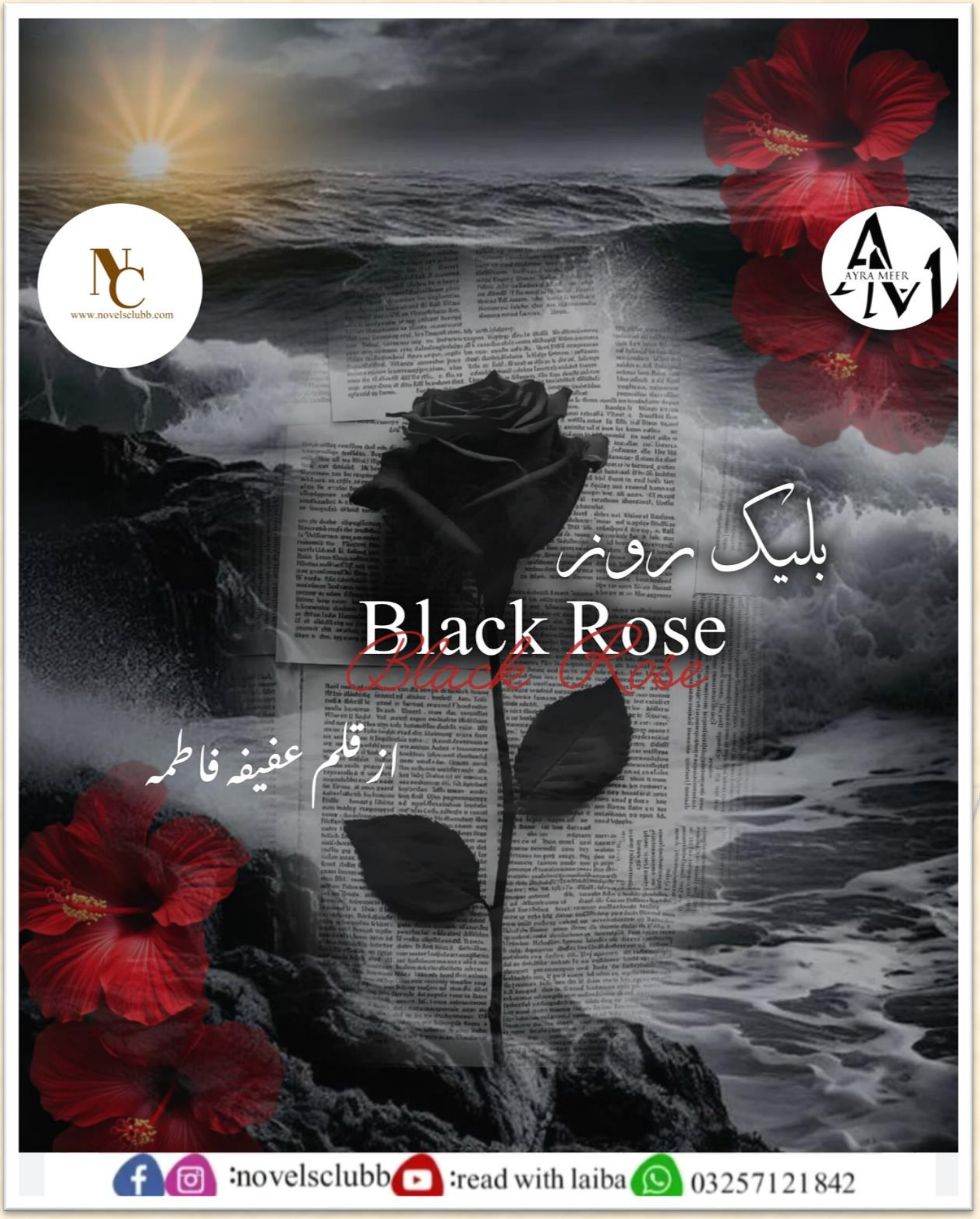
www.novelsclubb.com
AYRA MEER
بلیک روز
Black Rose
Black Rose
از قلم عفیفہ فاطمہ
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

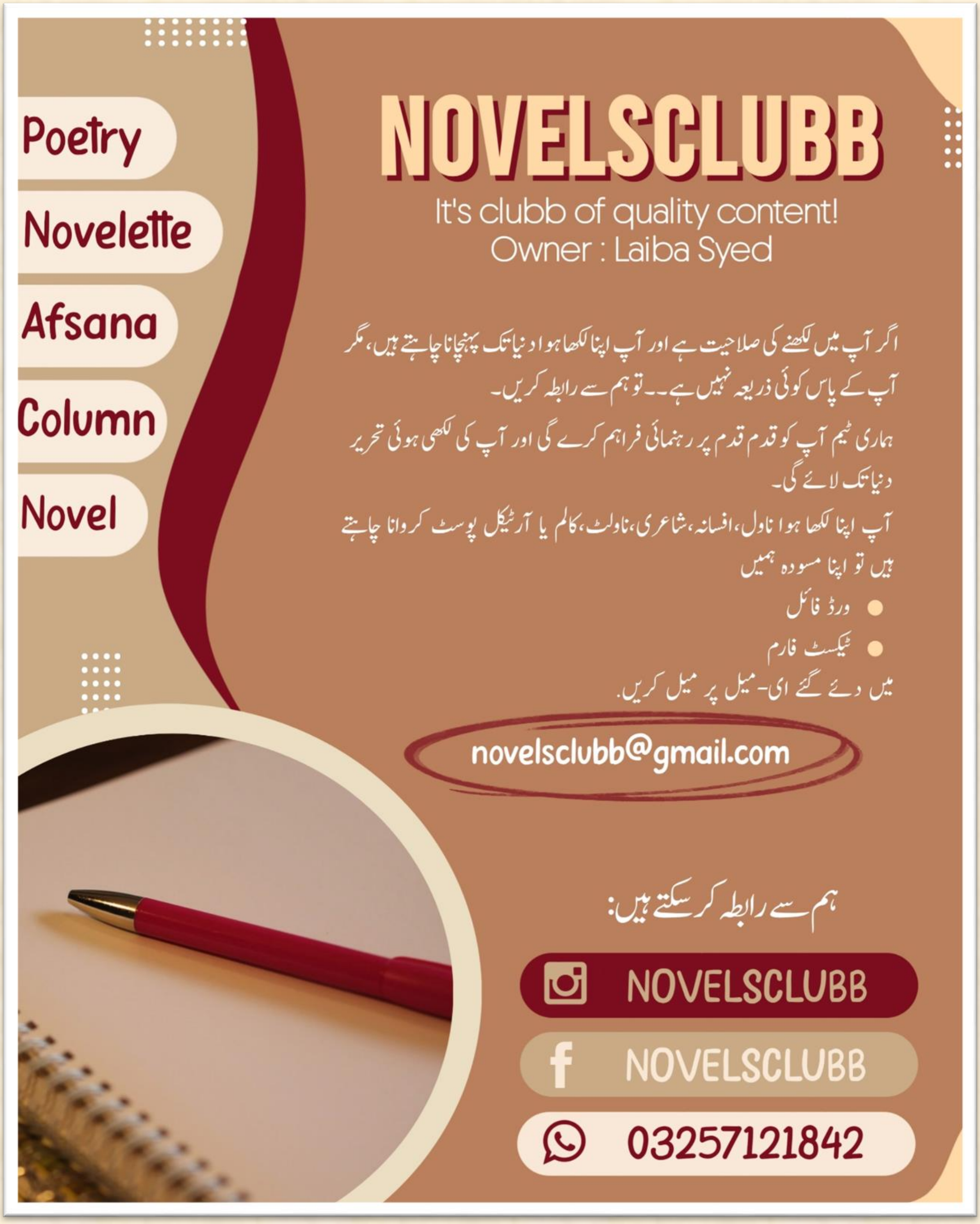

Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

بلیک روز

از قلم

عفیفہ فاطمہ

Clubb of Quality Content

ناول "بلیک روز" کے تمام جملہ حق لکھاری "عفیفہ فاطمہ" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی
صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو
گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال
کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی
حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

ناول:۔بلیک روز

قسط نمبر:۔2

اگلے دن کا سورج ایک نئی صبح،ایک نئی کہانی اور ایک نئی اُمید کے ساتھ طلوع ہوا تھا۔ہر انسان اپنی زندگی کی ایک نئی کہانی بننے میں مصروف ہو گیا تھا۔ایسے ہی کراچی شہر میں ایک سرکاری عمارت بھی بہت سے لوگوں کو نئی کہانی بنتے دیکھ رہی تھی۔اس عمارت کے مین گیٹ کے اوپر لگے بورڈ پر پولیس سٹیشن لکھا جگمگا رہا تھا۔اور اندر سمریز اپنے آفس روم میں کرسی پر براجمان تھا۔

اس کے سامنے تابش کمال اور صائم احمد بیٹھے کیس پر بات کر رہے تھے۔

"سر ان کیسس میں تو کوئی ثبوت ہی نہیں مل پاتا۔۔۔۔۔آخر ہم اس مجرم تک پہنچیں گے کیسے۔"تابش سمریز سے مخاطب تھا۔اس کے اس سوال پر سمریز نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔کیونکہ وہ اس کیس میں بس ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھا کہ ثبوت نہیں مل رہے۔مگر تابش واقعی بڑی پریشانی سے اس سے سوال کر رہا تھا۔

"بالکل غلط تابش کس نے کہا کہ ثبوت نہیں مل پارہے۔۔۔ثبوت ملے تو ہیں ۔۔۔۔وہ چاقو جو ہر لاش سے ملتا ہے اور وہ گانا جو ہر بار قتل سے پہلے اس جگہ چلایا جاتا ہے ۔۔۔یہ سب ثبوت ہی تو ہیں۔"

سمریز نے تابش کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے سر مگر وہ سب ثبوت تو کسی کام کے نہیں ہیں؟"تابش نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"تابش کمال جب کسی کو پہلی بار ساحل پر سے سپیاں ملتی ہیں ناتو اس میں سے موتی نکلے یا نہ نکلے مگر وہ سپیاں بھی اس شخص کیلیئے بہت خاص ہوتی ہیں کیونکہ وہ اس کی کامیابی کی پہلی سیڑھی ہوتی ہیں۔اسے اُمید ہوتی ہے کہ وہ اگلی بار ضرور موتی ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

سمریز تابش کی بات کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

"بالکل اسی طرح اگر ہمیں کوئی کام کا ثبوت نہیں ملا تو کیا ہوا جو ملا ہے وہی ہماری کامیابی کی پہلی سیڑھی بنے گا۔"

سمریز نے پورے یقین سے کہا تھا۔

"لیکن سر اگر بار بار کی تلاش کے بعد بھی سیپیوں سے موتی نہ نکلیں تو وہ سیپیاں بھی اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں۔"

"نہیں تابش سیپیاں اپنی اہمیت نہیں کھوتیں۔وہ تو انسان کی مایوسی ہوتی ہے جو اس کی نظر میں سیپیوں کی اہمیت کو کم کر دیتی ہے اور یہ مایوسی ہی انسان کو ہر منزل پر ناکام کر دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے تمہاری مایوسی کی وجہ سے ہی تمہیں ان ثبوتوں کی اہمیت معلوم نہیں ہو پا رہی۔۔۔۔اسی لیے ہمیں مایوس نہیں ہونا ایک بار امید کی نگاہ سے دیکھو بہت کچھ مل جائے گا ان دو ثبوتوں سے۔"

اس کی بات پر تابش نے سر ہلا دیا۔

وہ واقعی اس کی بات سے لاجواب ہو گیا تھا۔وہ واقعی مایوس ہو گیا تھا۔اسی لیے اسے یہ ثبوت بیکار لگ رہے تھے۔اور پھر وہ یہ سب سوچتے ہوئے دل ہی دل میں مسکرا دیا۔آخر اسی لئے تو وہ اتنے تھوڑے عرصے میں سمیر بخاری کا دیوانہ ہو گیا تھا۔وہ یوں ہی اسے اپنی سمندری مثالوں سے کتنا کچھ سکھا دیتا تھا۔۔۔

"سر ویسے وہ چاقو تو ٹھیک ہے لیکن یہ بیک گراؤنڈ میوزک چلانے کا کیا مقصد ہوا؟"

یہ سوال پوچھنے والا صائم احمد تھا۔

"ہاں اچھا سوال ہے صائم۔۔۔۔۔۔ بھلا یہ بیک گراؤنڈ میوزک چلانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" پھر کچھ دیر کے توقف کے بعد بولا۔

"ہو سکتا ہے اسے یوں میوزک کے ساتھ قتل کرنے میں سکون ملتا ہو۔۔۔۔ جیسے کسی سائیکو پیتھ کو اپنے شکار کی چیخیں سن کر سکون ملتا ہے۔" اس نے ایک آئبرو اُٹھا کر اپنا مدعا بیان کیا۔

"ویسے ہی شاید اسے بھی یہ گانا چلا کر لوگوں کو مارنے میں سکون ملتا ہو۔"

تابش نے اس کی بات سے متفق ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں تابش کمال ہو سکتا ہے اسے اس گانے کے لیرکس پر اپنے ٹارگٹ کئے گئے لوگوں کو مارنا پسند ہو۔" وہ (ٹارگٹ کئے گئے لوگوں) کے الفاظ پر زور دے کر بولا۔

"یعنی کے سر یہ کسی سائیکو پیتھ کا کام ہے۔" اس بار صائم احمد نے اپنی رائے پیش کی تھی۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ مگر یہ سارے کیس یہ ابھی تک جتنے قتل ہوئے ہیں یہ سب کہیں نا کہیں ایک دوسرے سے جڑے ہیں۔ کوئی نا کوئی لڑی ایسی ہے جو ان سب کیسس کو آپس میں جوڑ رہی ہے۔ اس لئے پرانے سارے کیسس اوپن ہونا بہت ضروری ہیں تابش۔۔۔۔۔ تبھی کچھ مل سکے گا۔"

"جی سر انشاءاللہ شام تک سب فائلز آپ کے سامنے ہوں گی۔"

"ہوں اور الطاف کا کیا بنا۔ تفتیش کی تم نے اس سے؟؟" سمریز نے سوال کیا۔

"سر بلوایا ہے اسے آتا ہی ہو گا بس۔۔۔۔" تابش نے اسے مطلع کیا۔

اتنے میں سمریز کا فون رنگ کرنے لگا اس نے ایک نظر موبائل سکرین کی جانب دیکھا اور پھر کال اٹینڈ کرتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے تابش نے معائنہ کرتی نظروں سے اسے تب تک دیکھا جب تک وہ دروازے کے پار غائب نہیں ہو گیا۔

"لگتا ہے بھابھی کی کال ہے؟" اور پھر اس کے یوں اُٹھ کر جانے پر ہلکی آواز میں خود سے بڑبڑایا۔ صائم نے اسے ایک گھوری سے نوازا۔

"اوو! سوری سر۔" تابش نے ہونٹوں کو گول کر کے خجل سے ہوتے ہوئے جواب دیا۔ انداز ایسا تھا کہ جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ اور پھر سر کھجاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ صائم نے افسوس سے نفی میں گردن ہلائی کہ جیسے کہہ رہا ہو کہ اس کا کچھ نہیں ہو سکتا اور پھر اس کے انداز پر ہنس دیا۔ وہ ان کے تھانے کی رونق تھا۔ ہمیشہ ہی کہیں نا کہیں کسی نا کسی پر کوئی نا کوئی پوائنٹ مارتا رہتا تھا۔

****

"انسپکٹر تابش ! بلوایا تھا آپ نے۔" الطاف نے تھانے پہنچ کر تابش کمال کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی جی الطاف صاحب آیئے آیئے۔۔۔ بالکل بلوایا تھا میں نے آپ کو۔۔۔ بیٹھیے" تابش نے اسے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اس کے بیٹھنے پر تابش نے بات شروع کی۔

"ہاں تو جناب۔۔۔۔ کیا کہا تھا آپ نے آپ کا وہ سی سی ٹی وی انچارج۔۔۔۔ خود ہی چھٹی کر لی تھی اس نے بنا آپ کی اجازت کے بنا آپ کو بتائے ؟"

تابش اپنی کرسی پر آگے کو ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ انداز سوالیہ تھا۔

"جی سر بالکل۔ مجھے اس بارے میں بالکل علم نہیں تھا کہ وہ یوں اچانک چھٹی کر لے گا۔" الطاف نے پورے اطمینان سے جواب دیا۔ اس کے اتنے اطمینان سے جواب دینے پر تابش نے مسکرا کر دیکھا۔ چیلینج کرنے والی مسکراہٹ اور پھر اپنی ٹیبل پر موجود فائلز میں سے ایک نیلی فائل اس کی طرف بڑھائی۔

"اچھا تو یہ سب کیا ہے الطاف صاحب ؟؟"

کیا ہے یہ ؟؟

الطاف نے اس سے فائل لیتے ہوئے پوچھا۔

"کال ریکارڈ آپ کی اور اس سی سی ٹی وی انچارج کی۔۔۔۔اس میں صاف درج ہے کہ آپ کے کلب میں قتل ہونے سے ایک رات پہلے آپ نے خود اپنے سی سی ٹی وی انچارج کو کال کی تھی۔اور اب یہ مت کہیئے گا کہ آپ نے کال کی تھی مگر چھٹی دینے کیلئے نہیں بلکہ کچھ اور بات کرنے کیلئے۔اگلے صفحے پر آپ کی کہی ہوئی ساری باتیں بھی درج ہیں۔ آپ نے خود اسے چھٹی دی تھی۔دی تھی یا نہیں۔"

وہ آخری جملوں پر زور دیتے ہوئے بولا۔انداز کافی رعب دار تھا۔

"سر میں نے اسے کوئی کال۔۔۔۔"

"چھٹی دی تھی یا نہیں۔"

تابش نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے رعب سے اونچی آواز میں پوچھا۔

"نہیں سر میں نے اسے کوئی چھٹی نہیں دی۔"

الطاف نے اپنی صفائی پیش کی۔انداز تھوڑا اچڑا ہوا تھا۔

"تو یہ سب کال ریکارڈز۔۔۔۔جھوٹ ہے کیا یہ سب۔"

"ہاں جھوٹ ہے یہ سب۔تم سب گھوم پھر کر ہر چیز کا زمہ دار مجھے ہی کیوں ٹھرا رہے ہو۔پہلے وہ ڈی ایس پی۔۔۔۔۔وہ مجھے اس کیس میں پھنسا رہا تھا اور اب تم۔۔۔۔۔تم مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

الطاف اس بار بھڑک گیا تھا۔

پہلے ہی سمریز کے ساتھ ہونے والی تلخ گفتگو کی وجہ سے اس کی سوچ پولیس والوں کیلئے کافی منفی ہو گئی تھی اور اب تابش کا یوں اس پر ایک اور الزام لگانا اسے بھڑکا گیا تھا۔

"زیادہ اچھلنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔۔"

تابش آرام سے کرسی کی پیٹھ سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم ملائے اس کی باتیں سننے میں مصروف تھا اور جب اس کی آواز حد سے بڑھنے لگی تو اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"بیٹھنا تو دور کی بات انسپکٹر صاحب میں یہاں ایک پل نہیں ٹھروں گا اور تم۔۔۔۔۔تمہیں اور تمہارے اس ڈی-ایس-پی کو بھی یہاں بیٹھنے نہیں دوں گا۔بہت برداشت کر لیا میں نے۔اب اور نہیں انسپکٹر۔جانتے نہیں ہو تم مجھے۔وہ پھر سے بھڑکتے ہوئے بولا۔

اب تو تابش کو بھی غصہ آیا تھا۔

"نور۔۔۔نور ادھر آؤ۔"تابش نے نور کو آواز دی۔

"جی سر جی۔"نور بھاگتا ہوا آیا تھا۔

"مہمان خانے کی سیر کروا کر لاؤ ذرا اسے۔جانتا تو ابھی یہ مجھے نہیں ہے۔وہیں زبان بند ہو گی اس کی۔"تابش الطاف کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ہاتھ مت لگانا حولدار۔"الطاف نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا تھا مگر نور اور ایک اور حولدار زبردستی اس کو مہمان خانے کی طرف لے گئے۔نور آدھے گھنٹے کے بعد واپس آیا ۔

"سر جی وہ تو منہ ہی نہیں کھول رہا بس ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے کہ چھوڑوں گا نہیں۔۔۔چھوڑوں گا نہیں۔"نور نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"مطلب ابھی تک اکڑ نہیں نکلی اس الطاف کی۔لگتا ہے اب تابش والا طریقہ ہی اپنانا پڑے گا۔"تابش مہمان خانے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"جی سر مجھے بھی یہی لگتا ہے۔"نور نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"چلو دیکھتے ہیں کب تک یہ اکڑ قائم رہتی ہے۔"تابش نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔اپنی گھڑی اتار کر سامنے موجود ٹیبل پر رکھی اور پھر وہ پولیس یونیفارم کے کف موڑتے ہوئے مہمان خانے کی طرف بڑھا۔نور بھی اس کے پیچھا آیا۔

جب تابش نے مہمان خانے میں قدم رکھا تو سامنے ہی سوجھی ہوئی آنکھ کے ساتھ بیٹھا الطاف نظر آیا۔

اس کا حلیہ کچھ دیر پہلے والے الطاف سے کافی مختلف تھا۔

"چچ چچ۔۔۔۔اتنی کھانے کے بعد بھی منہ نہیں کھولا۔بڑا ہی ڈھیٹ ثابت ہوا ہے بھئی تو۔"

تابش نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔اس کے انداز سے یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ الطاف کی اِس حالت پر افسوس کر رہا تھا یا اب سے کچھ دیر بعد والی حالت پر۔

تابش کمرے کے دائیں جانب موجود کرسیوں میں سے ایک گھسیٹ کر لایا اور عین الطاف کے سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔

"دیکھ میں آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں کیا اب بھی تم یہی کہو گے کہ واقعی تم نے اسے کال نہیں کی ہاں۔"

الطاف سو جھی ہوئی آنکھ کے ساتھ بیٹھا اسے گھورنے میں مصروف تھا۔

اس کے پوچھنے پر فوراً بولا۔

"نہیں کی میں نے کوئی کال۔۔۔۔ مگر یہاں سے جانے کے بعد ضرور کروں گا اور دیکھنا اس کے بعد تم اس تھانے میں نظر نہیں آؤ گے۔"

الطاف کی آواز میں واضح غصہ جھلک رہا تھا۔

"پولیس کو دھمکی دے گا۔" تابش نے غصے سے اس کی گردن کی پشت کو اپنے پنجے میں دبوچ کر پھنکارتے ہوئے کہا اور پھر اس کے چہرے کو یوں ہی گردن کی پشت پر زور دیتے ہوئے نیچے کیا اور اس کی گردن کے آخر میں جہاں سے ریڈھ کی ہڈی شروع ہوتی ہے عین اس مقام پر دوسرے بازو کی کہنی اتنی زور سے ماری کہ ایک منٹ کیلئے الطاف کا پورا دماغ سنسنا اُٹھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا یا گیا۔ درد کے مارے اس کے منہ سے بے اختیار چیخ بلند ہوئی۔ پیچھے کھڑے نور کا ہاتھ خود بخود اپنی گردن کی پشت پر گیا جہاں آج بھی اس درد کی تکلیف محسوس ہو رہی تھی کیونکہ وہ بیچارہ خود بھی تابش کمال کے اس تابش والے طریقے کا شکار ہو چکا تھا۔ تابش نے پہلی بار اسی پر تو یہ طریقہ آزمایہ تھا۔

"میں۔۔۔ تمہیں چھوڑوں۔۔۔ گا نہیں انسپکٹر۔۔۔۔ دیکھ لوں گا میں تمہیں۔"

الطاف نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں جب دیکھنے کا دل چاہے آ جانا تھانے، یہیں ملوں گا میں تمہیں۔پر ابھی یہ بتا کہ کیا اب بھی کوئی کال نہیں کی ہاں؟"

تابش نے اس کی گردن کی پشت سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں نہیں کی میں نے کوئی کال۔۔۔۔کیسے یقین دلاؤں میں تمہیں؟"اس بار الطاف کے لہجے میں بے بسی سی تھی۔

اور اب تابش کو بھی یہی لگ رہا تھا کہ وہ واقعی سچ کہہ رہا ہے نہیں تو کوئی بھی تابش کے اس طرح بات اُگلوانے پر دوبارہ جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔اس لیے وہ الطاف کو یونہی چھوڑ کر کمرے سے باہر بڑھ گیا۔اور پیچھے نور نے الطاف کو سیدھا کرنے کی کوشش کی کیونکہ یہ تو وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اگلے کچھ دن تک وہ بے چارہ بنا کسی سہارے کے اپنی گردن سیدھی نہیں کر پائے گا۔تابش کمال کا یہ طریقہ تھا ہی اتنا ظالم۔

****

آسمان پر سورج غروب ہونے کے رنگ بکھرے ہوئے تھے،

ہلکے جامنی اور نارنجی رنگ۔ کہیں کہیں بکھرے بادل اور اس خوبصورت آسمان پر اُڑتے پرندے ایک دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔

اور اس آسمان تلے ایک محل نما گھر پوری شان سے براجمان تھا۔ جیسے جیسے رات کا اندھیرا پھیلنے لگا اس محل نما گھر کی روشنیاں بکھرنے لگیں۔

اور پھر اس گھر کے باہر ایک گاڑی آکر رکی۔ گارڈ نے فوراً سے سلام کر کے اس محل کا گیٹ کھولا اور گاڑی اندر بڑھ آئی اور پھر پورچ میں داخل ہو کر اپنی مخصوص جگہ پر رک گئی۔ ڈرائیور نے گاڑی سے نکل کر بیک ڈور کھولا تو گاڑی میں بیٹھا وہ شخص پوری شان سے باہر نکلا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔ وہ شخص دکھنے میں 50 سے 52 تک کا تھا۔ ہلکے ہلکے چاندی لیے بال، گھنی مونچھیں اس کی شخصیت کو وجیہہ بناتی تھیں۔

جب وہ شخص اس محل نما گھر کے کشادہ لاؤنج میں داخل ہوا تو ایک ملازم نے فوراً سے حاضر ہو کر اسے کچھ بتایا تھا اور ملازم کی بات سن کر اس کے ماتھے پر دو بل پڑے تھے۔ چہرے پر اکتاہٹ واضح ظاہر ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ملازم کو جانے کا کہا اور پھر ایک گہری سانس بھر کر خود کو نارمل کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اب اس کے چہرے

پر ماتھے کے بلوں کی جگہ لبوں پر ہلکی سی مسکان نے لے لی تھی۔وہ سیڑھیوں پر قدم بہ قدم چلتا اوپر بڑھ گیا۔

"واٹ آ پلیزینٹ سرپرائز ڈاکٹر میکال !"اس شخص نے اپنی سٹڈی میں داخل ہوتے ہوئے وہاں پہلے سے موجود شخص سے مخاطب ہو کر کہا۔

چہرے پر بہت اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔۔۔۔جھوٹی اپنائیت۔۔۔۔۔تھوڑی دیر پہلے چہرے پر آنے والی ناگواری اس جھوٹی اپنائیت کے پیچھے چھپ سی گئی تھی۔

ڈاکٹر میکال کرسی پر براجمان کسی کتاب میں سر دیئے ہوئے تھا۔

اس شخص کی آواز پر ڈاکٹر میکال نے چہرا اُٹھا کر اسے دیکھا۔

ماتھے پر بکھرے ہلکے بھرے بال، چہرے پر موجود ہلکی ہلکی داڑھی، کھڑی مغرور ناک اور ہلکی نیلی آنکھیں۔بلاشبہ وہ شخص کافی حسین تھا اور غرور اس کے ہر ایک تاثر سے اس کے چہرے پر جھلکتا تھا۔وہ شخص عمر میں 40سال تک کا تھا اور اس کی آنکھیں اسے نا صرف دوسروں سے منفرد بناتی تھیں بلکہ اسے بار بار دیکھنے پر مجبور کرتی تھیں۔

اندر داخل ہونے والے شخص نے اس کے قریب آکر مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا۔

ڈاکٹر میکال نے کتاب بند کر کے سامنے موجود ٹیبل پر دوسری کتابوں کے ساتھ ایک ترتیب سے رکھی اور اس شخص کے بڑھے ہاتھ کو مکمل اگنور کر کے کرسی کی پشت پر ٹیک لگا گیا۔

"سرپرائز تو مجھے ملا ہے شاہد بخاری۔۔۔۔ میں دو مہینے کیلئے ملک سے باہر کیا گیا تم نے تو پیچھے اپنی مرضی چلانا شروع کر دی۔"

ہلکی نیلی آنکھیں سنجیدگی لیے ہوئے تھیں۔

ان میں نا کوئی ناگواری تھی اور نا ہی کوئی جھوٹی اپنائیت۔۔۔۔ صرف سنجیدگی تھی۔

یوں کہ آنکھوں کا نیلا سمندر بالکل خاموش ہو اور خاموش سمندر بہت خطرناک ہوتا ہے

۔

"ارے! کیا ہو گیا ڈاکٹر میکال ایسا بھی جو تم دوست سے ملنے کی بجائے یوں بھڑک کے بیٹھے ہو۔ ارے دو مہینے بعد واپس آئے ہو ذرا مسکرا کر ملو دوست سے۔"

شاہد بخاری نے ایک نظر اپنے مصافحہ کیلئے بڑھائے ہاتھ کو دیکھا پھر سر جھٹکتے ہوئے کہا اور سامنے موجود کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

Clubb of Quality Content

"اچھا۔۔۔ایسا بھی کیا ہو گیا ہاں۔دوست دو مہینے کیلئے باہر کے ملک گیا تھا ہمیشہ کیلئے قبر میں نہیں جو پیچھے بیٹی کی شادی کر دی۔انتظار کرنا تو دور بتانے کی زحمت بھی نہیں کی۔"ڈاکٹر میکال نے ناراضگی سے ماتھے پر بل لیے کہا۔

"یار بس۔۔۔سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا کہ بتانے کا وقت ہی نہیں ملا۔نہیں تو تیرے بغیر کچھ کیا ہے میں نے آج تک۔"شاہد بخاری نے ایک بار پھر نا گواری کو مسکراہٹ کے لبادے میں چھپا کر جواب دیا۔

"میں نے منع کیا تھا نا کہ سمریز بخاری کے بارے میں سوچنا بھی مت اس کے باوجود تو نے اسے اپنا داماد بنا لیا۔"چہرے پر سنجیدگی اور انداز میں غرور سموئے ایک اور شکوہ کیا گیا۔

"آخر مسلہ کیا ہے سمریز سے؟"

شاہد نے سوال کیا۔

"تم سب جانتے ہو شاہد اس کے باوجود ایسے بول رہے ہو۔"

ڈاکٹر میکال کے ماتھے کے بلوں میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

"ہاں جانتا ہوں۔۔۔پر مجھے یہ ایک بہترین انتخاب لگا اور ویسے بھی تجھے اس شادی سے مسلہ ہو گا مگر میری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

شاہد نے سٹڈی میں سامنے کی دیوار کے بیچ و بیچ لگی تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا واقعی؟"ڈاکٹر میکال نے بائیں آئبرو اچکائے ہونٹوں پر پر اسرار مسکراہٹ لیے استفسار کیا۔

شاہد کی نظریں ابھی بھی اس تصویر پر جمی تھیں۔میکال کے اس سوال پر بہت سے منظر نظروں کے سامنے لہرائے تھے۔اور جب بولا تو انداز پختہ تھا۔

"ہاں واقعی۔۔۔میری سمریز سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

شاہد نے اپنی آنکھیں ہلکی نیلی آنکھوں میں گاڑ کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

شاہد کی بات پر ڈاکٹر میکال نے مسکراتے ہوئے سر جھٹک دیا۔

اس مسکراہٹ کے ساتھ ہی ہلکی نیلی آنکھوں میں چمک سی ابھری تھی۔یوں معلوم ہوتا تھا کہ پورا سمندر مسکرا اُٹھا ہو۔

"تم جانتے ہو نا کہ اس کی پہلی بیوی کیسے ماری گئی تھی۔اس کے باوجود تم نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروادی۔"

میکال نے سنجیدگی سے ایک بار پھر استفسار کیا۔

آنکھوں کا نیلا سمندر ایک بار پھر خطرناک حد تک خاموش ہو گیا تھا۔

"فکر مت کرو میکال ایسا کچھ نہیں ہو گا جس کا تمہیں ڈر ہے۔ سمریز میری بیٹی کیلئے ایک بہترین انتخاب ہے اور مجھے کسی دوسری چیز کی پرواہ نہیں۔۔۔۔ کھانا کھا کر جانا۔"

شاہد یہ کہتے ہوئے سٹڈی روم سے باہر کی طرف بڑھ گئے۔

مگر اندر سے وہ دونوں ہی صلہ کی حفاظت کو لے کر پریشان تھے۔

شاہد تو کب کے جا چکے تھے۔۔۔ مگر۔۔۔ پیچھے نیلی آنکھیں دروازے پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں ڈوبی رہ گئی تھیں۔ ناجانے ان آنکھوں کے نیلے سمندر میں کتنے راز چھپے تھے۔

مگر جلد ہی سب ان رازوں سے واقف ہونے والے تھے کیونکہ زندگی کا ہر راز ایک نا ایک دن سامنے آ ہی جاتا ہے چاہے پھر وہ زندگی کو ایک نئی اُمنگ دے جائے یا پھر جینے کی آخری اُمید بھی چھین کر لے جائے۔

****

صلہ اس وقت اپنے کیفے (دی ڈونیٹ گیلور) میں موجود تھی۔ منہ لٹکائے کیفے کے گلاس ڈور سے باہر نظریں جمائے کچھ سوچنے میں مصروف۔

شیشے سے بنا یہ کیفے بے حد خوبصورت تھا۔آف وائٹ کلر کا رنگ اور ڈارک براؤن کلر کے فرنیچر سے مزین یہ کیفے اپنی ہر چیز سے اپنے مالک کے اعلیٰ زوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

کیفے میں دو تین ٹیبلز پر گنتی کے چند لوگ بیٹھے تھے۔

کونے میں ایک ٹیبل پر صلہ تنہا بیٹھی تھی۔اور ان کے قریب ہی ایک ٹیبل پر عالیان اپنی کتابیں پھیلائے ہوم ورک کرنے میں مصروف تھا۔

صلہ روزاسے سکول سے سیدھا کیفے لے آتی تھی اور پھر شام چھ بجے کیفے بند کرنے کے بعد وہ دونوں ساتھ گھر جایا کرتے تھے۔

"تمھاری وہ دوست ابھی تک نہیں آئی شام ہونے والی ہے اور کیفے بند کرنے کا ٹائم بھی ہونے والا ہے۔"

میرب کافی دیر سے صلہ کو یوں منہ لٹکائے بیٹھے دیکھ رہی تھی۔اب اپنا کام سمیٹ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔۔۔پتہ نہیں کیوں نہیں آئی ابھی تک۔۔۔پتہ نہیں آئے گی بھی یا نہیں۔"

صلہ لٹکے ہوئے منہ کے ساتھ بولی۔

"بڑی یاد آرہی ہے نا۔"میرب نے ماتھے پر بل ڈالے استفسار کیا۔

"ہاں۔"صلہ بنا اس کے تاثرات پر غور کیے اپنے ہی دکھ میں بولی۔

پہلے تو میرب کو شدید غصہ چڑھا تھا مگر پھر صلہ کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنے غصہ پر قابو کرنے کی کوشش کی۔

"تم مجھے بتاؤ تو سہی۔۔۔آخر ایسی بھی کیا بات ہے جو تم اتنی بے تاب ہو اس سے ملنے کیلئے۔۔۔اور وہ ہے کون؟۔۔۔پہلے تو کبھی میں نے اس کے بارے میں نہیں سنا تم سے۔"

میرب نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم واقعی جاننا چاہتی ہو؟۔۔۔۔۔"

****

"سر یہ ساری فائلز ہیں۔۔۔۔۔اس چاقو سے ریلیٹڈ تمام کیسس کی۔"

تابش نے سمریز کے سامنے کافی ساری فائلز رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔پہلے کیس سے شروع کرو ہمیں آج ان سب فائلز کو ریڈ کرنا ہے۔۔۔۔کوئی نا کوئی ثبوت لازمی ملے گا۔"

سمریز تابش کو پہلی فائلز اُٹھانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"جی سر۔۔۔۔ سر یہ پہلا کیس ہے۔

عالمگیر بخاری قتل کیس (6 جولائی 2013)"

ایک لمحہ کیلیئے سمریز کی آنکھوں میں کرب سا اُبھرا تھا مگر وہ بڑی مہارت کے ساتھ خود پر قابو پا گیا۔

"ہاں۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔ پڑھنا شروع کرو کیا لکھا ہے۔"

سمریز کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"سر اس میں لکھا ہے کہ عالمگیر بخاری ملک کے ایک نامور کاروباری شخصیات میں سے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ سوشل ورک میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔بہت سی این جی اوز کے ساتھ بھی منسلک تھے۔

ان کی فیملی میں سوائے ان کے بھتیجے (سمریز بخاری)۔۔۔کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا۔"

تابش نے بھتیجے کے بعد لکھے سمریز بخاری کے نام پر ایک دم سے چونک کر سمریز کی طرف دیکھا مگر سمریز کو منتظر نگاہوں سے خود کی طرف دیکھتا پا کر اگلے الفاظ پڑھنے لگا۔

"جب عالمگیر بخاری کا قتل ہوا تب ان کے بھتیجے کی عمر 18 سے 19 کے بیچ تھی۔ان کا بھتیجا 7 سال کی عمر سے ان کے ساتھ رہ رہا تھا کیونکہ عالمگیر بخاری کے بھائی اور بھابھی ایک

روڈ ایکسیڈینٹ میں مارے گئے تھے۔ مشہور کاروباری شخصیت ہونے کے باوجود ان کی کسی سے کوئی دشمنی کبھی منظر عام پر نہیں آئی تھی۔

سر یہ تھا سارا بائیو ڈیٹا۔"تابش نے سمریز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور آگے بتاؤ قتل کیسے ہوا؟"

سمریز نے اپنی آواز کو جتنا ہو سکتا تھا اتنا نارمل رکھتے ہوئے کہا تھا مگر تابش کو اس کی آواز میں بہت کچھ محسوس ہوا تھا۔۔۔تکلیف۔۔۔اذیت اور شدت سے کسی اپنے کی یاد۔

"جی سر۔۔۔یہاں لکھا ہے کہ (چھ جولائی 2013) کو ہفتے کی رات 3 بجے کے قریب اچانک گھر کی تمام لائٹس آف ہو گئیں اور تمام سی سی ٹی وی کیمراز بھی بند ہو گئے۔

اور اس کے بعد صبح 5 بجے ان کا بھتیجا اپنے کسی دوست کے گھر سے واپس لوٹا تھا تو پورا گھر جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

پڑوس میں رہنے والوں نے فائر بریگیڈ کو بلا کر آگ بجھوا دی تھی اور پولیس کو بھی اطلاع دے دی تھی۔ پولیس نے وہاں پہنچ کر راکھ ہوئے پورے گھر کو چھان مارا مگر کوئی بھی ایسا ثبوت ہاتھ نہیں لگا جس سے مجرم کے بارے میں معلوم ہو سکے۔ گھر کی ہر چیز راکھ ہو گئی تھی اور عالمگیر بخاری کی لاش بھی اسی راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی تھی۔"

اس جملے پر سمریز نے اپنی آنکھیں بند کر کے ان میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔

اور تابش یوں ہی مزید پڑھنے میں مصروف تھا۔

"ان کے جسم کی راکھ بنی ہڈیوں کے پاس ہی کچھ سامان ملا تھا۔ جس میں ان کی روزانہ پہنے جانے والی انگوٹھی، والٹ اور گھڑی شامل تھی۔ ان کے اس سامان کی شاناخت ان کے بھتیجے سمریز بخاری نے کی تھی۔ پولیس کو اسی راکھ کے پاس ایک چاقو ملا تھا جس پر خون لگا تھا۔

فارینسک رپورٹ سے

معلوم ہوا کہ وہ خون عالمگیر بخاری کا ہی تھا۔ اور اس سے پولیس کا اندازہ تھا کہ ان کو جلانے سے پہلے قتل کیا گیا ہو گا۔

اس کے علاوہ ایک عجیب چیز معلوم ہوئی تھی کہ ان کے کمرے میں کہیں کہیں سیاہ گلاب کی جلی ہوئی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔

اس سب کے علاوہ پولیس کو کوئی بھی ثبوت نہیں مل سکا تھا اور اسی وجہ سے اس کیس کو چھ مہینے کی طویل مدت کے بعد بند کر دیا گیا۔"

تابش نے فائل بند کرتے ہوئے سمریز کی طرف دیکھا۔ تابش کو اس کی حالت کچھ عجیب سی معلوم ہو رہی تھی اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو رہی تھی۔

سمریز نے اپنے سامنے پڑا ہوا پانی کا گلاس اُٹھا کر منہ سے لگایا اور ایک ہی گھونٹ میں حلق سے اتار گیا۔

"اگلی فائل کھولو۔۔۔۔۔ سمریز نے پانی کا گلاس واپس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔"

"جی سر۔"تابش نے دوسری فائل کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

"ثناء سمریز قتل کیس۔۔۔۔۔۔

ثناء سمریز ایک ہاؤس وائف تھی۔ شوہر سمریز بخاری پولیس میں انسپکٹر کی پوسٹ پر بھرتی تھے۔ایک بار پھر سمریز کے نام پر تابش کے ماتھے پر بل آئے تھے مگر پھر وہ یوں ہی آگے پڑھتا چلا گیا۔

ان کا ایک دو سالہ بیٹا عالیان بخاری تھا۔ سوشل لائف انتہائی کم تھی۔

(دس اگست 2021) کو ثناء اپنے ماں باپ کے گھر رہنے آئی ہوئی تھی۔ اسی رات 4:15 پر تمام گھر کی لائٹس اچانک ہی بند ہو گئیں اور پانچ منٹ بعد 4:20 پر سب نارمل ہو گیا۔ صبح ان کے گھر والوں کو ثناء کے کمرے سے جائے نماز کے اوپر ثناء سمریز کی لاش ملی تھی شاید وہ تہجد کی نماز ادا کر رہی تھیں۔

اس قتل میں ملنے والی عجیب چیز وہ چاقو تھا جس سے ثناء سمریز کا قتل کیا گیا تھا۔یہ چاقو بالکل ویسا ہی تھا جیسا آٹھ سال پہلے عالمگیر بخاری قتل کیس میں استعمال ہوا تھا۔

اس کیس میں مزید کوئی ثبوت اور گواہ نہ ملنے کی صورت میں اس کیس کو بند کردیا گیا۔"

تابش نے فائل بند کر کے ایک بار پھر سمریز کی طرف دیکھا۔اسے سمریز کی حالت پہلے سے بھی زیادہ غیر ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔آنکھیں بے حد سرخ اور سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔

"سر آپ ٹھیک ہیں؟تابش نے پریشانی سے استفسار کیا۔

"ہاں۔۔۔ٹھیک ہوں۔"سمریز بس اتنا ہی کہہ سکا اور اُٹھ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

باہر گراؤنڈ میں آکر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔یوں معلوم ہو رہا تھا کہ دنیا سے آکسیجن ختم ہو گئی ہو اور بس یہ آخری چند گھٹی گھٹی سانسیں آرہی ہوں۔

سانس لینے میں دشواری کی وجہ سے اس نے پولیس وردی کے اوپری دو بٹن کھول دیے اور پاس پڑے بینچ پر ہارنے والے انداز میں بیٹھ گیا۔

پوری دنیا کے سامنے مضبوط بن کر رہنے والا سمریز بخاری اپنے پیاروں کی موت کا منظر نامہ سن کر بے حد کمزور پڑ گیا تھا۔ وہ یہ سب پہلے سے جانتا تھا مگر اپنوں کی جدائی کی تکلیف ہی ایسی ہوتی ہے جو ہر بار دل کو نئے سرے سے کاٹنے لگتی ہے۔اس کا دل بھی کٹ رہا تھا۔

"سر آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" سمریز نے آواز پر چونک کر سر اُٹھایا۔ سامنے ہی تابش کھڑا پریشان نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

سمریز نے فوراً نظریں جھکا لی تھیں شاید اپنی آنکھوں میں آئی نمی چھپانے کیلئے مگر تابش وہ نمی دیکھ چکا تھا۔

اس کے دل میں ایک ٹیس سی اُٹھی تھی۔

اپنے آئیڈیل کو یوں ہارا ہوا دیکھنا اس کیلئے بھی تکلیف دہ تھا۔

تابش بھی خاموشی کے ساتھ بینچ کے دوسرے کنارے پر ٹک گیا۔ کچھ لمحے یوں ہی خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"نا جانے مجھے کہنا چاہیے یا نہیں لیکن۔۔۔۔ آپ مجھے بتا سکتے ہیں سر۔"

تابش نظریں جھکائے ہوئے بولا۔ اندر سے وہ ڈرا ہوا تھا کہ کہیں یوں اس سے اس کے پرائیویٹ معاملے کے بارے میں پوچھنے پر سمریز برا نہ مان جائے۔

"کیا؟" سمریز کی آواز میں تھکان سی تھی۔

"سب کچھ۔۔۔۔۔جو آج تک آپ کسی کو نہیں بتا پائے۔۔۔کسی کے سامنے اپنا دل ہلکا نہیں کر پائے۔۔۔۔آپ مجھے بتا سکتے ہیں میں سنوں گا۔"

تابش نے سر اٹھا کر سمریز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا کرو گے میری کہانی سن کر؟" سمریز کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"آپ کا دل ہلکا۔" اس کی آنکھوں میں ہمدردی تھی۔

سمریز نے بھی نگاہ اُٹھا کر اسے دیکھا۔

"آپ مجھ پر یقین کر سکتے ہیں سر۔" تابش نے اس کی آنکھوں میں برابر دیکھتے ہوئے کہا۔

سمریز سامنے موجود دیوار کو دیکھنے لگا جہاں چونٹیوں کی ایک لمبی قطار بنی تھی۔

"تو سنو پھر تابش کمال۔۔۔"

دوسری طرف صلہ اس شیشے سے بنے کیفے میں میرب کے سامنے بیٹھی تھی۔کیفے کے گلاس ڈور سے باہر سڑک پر نظریں جمائے۔

"کیا تم واقعی جاننا چاہتی ہو؟" اس نے میرب سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔میں جاننا چاہتی ہوں۔

"تو سنو پھر میرب کمال۔۔۔"

ماضی:۔

"سمریز نے کھانا کھایا تھا؟۔۔۔طبیعت کیسی ہے اب اس کی؟"عالمگیر بخاری نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے سب سے پہلے سمریز کے متعلق پوچھا۔

"صاحب جی سمریز صاحب تو صبح سے کمرے سے باہر ہی نہیں آئے۔۔۔نا کچھ کھا رہے ہیں اور دوائی بھی نہیں لی انہوں نے۔"

ملازمہ نے عالمگیر کے پوچھنے پر سمریز کے متعلق بتایا۔

"واٹ۔۔۔مطلب کیا ہے تمہارا کہ وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا۔۔۔تم نے اسے کھانا کیوں نہیں کھلایا؟"عالمگیر نے غصہ سے چلاتے ہوئے کہا۔

"صاحب جی میں نے بہت کوشش کی تھی مگر انہوں نے میری بات نہیں مانی۔"ملازمہ نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔

"تو مجھے کال کیوں نہیں کی تم نے۔۔۔وہ بچہ صبح سے بھوکا ہے اور تم اب مجھے بتا رہی ہو وہ بھی میرے پوچھنے پر۔۔۔اگر میں نہ پوچھتا تو تم نے تو کچھ بتانے کی زحمت ہی نہیں کرنی تھی ہاں۔" عالمگیر کو اس کی اس بات پر اور بھی شدید غصہ چڑھ گیا۔

ملازمہ اس بات پر سر جھکا گئی۔

"کھانا لے کر آؤ اوپر، سمریز کے کمرے میں۔" عالمگیر نے اسے یوں سر جھکائے دیکھ کر کہا اور اوپر سمریز کے کمرے کی طرف بڑھ گ ئے۔

****

عالمگیر نے جب سمریز کے کمرے کا دروازہ کھولا تو گھپ اندھیرے نے انہیں خوش آمدید کہا۔انہوں نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ اون کی تو پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔عالمگیر نے پورے کمرے پر ایک نظر ڈالی کمرہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ صبح چھوڑ کر گئے تھے۔بچوں کے کھلونے، سائیکل وغیرہ وہ اس کے کمرے میں رکھوا گئے تھے کہ شاید وہ ان چیزوں کو دیکھ کر ہی کھیلنے کودنے لگے لیکن نہیں۔۔۔۔سمریز اپنے بستر سے ہی نہیں اُٹھا تھا۔

عالمگیر نے افسوس سے سر ہلایا اور سمریز کے بیڈ کی طرف بڑھے۔

"سمریز۔۔۔۔اٹھو بیٹا۔۔۔۔شاباش۔۔۔۔ صبح ناشتے کے بعد سے اب تک کچھ کھایا بھی نہیں ہے آپ نے۔۔۔۔ چلو اٹھو دیکھو آپ کے چاچو نے بھی کچھ نہیں کھایا۔" عالمگیر نے یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو دل دھک سے رہ گیا۔

سات سالہ سمریز کا پورا چہرا آنسوؤں سے تر تھا اور بخار کی شدت سے لال۔

"سمریز میرے بچے تم ٹھیک تو ہو۔۔۔۔۔ میرا بیٹا ایم سو سوری اگر میرا جانا ضروری نہ ہوتا تو میں کبھی بھی اپنے بیٹے کو یوں چھوڑ کر نہ جاتا۔ پر اب چاچو کہیں نہیں جائیں گے جب تک میرا بیٹا ٹھیک نہیں ہو جاتا تب تک میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ سمریز ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"کیا ہوا میرے سمریز کو۔۔۔ ادھر دیکھو کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟ ہاں؟"

عالمگیر نے پریشانی کے عالم میں اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر پوچھا۔

"مجھے۔۔۔ ماما بابا۔۔۔ کے پاس جانا ہے۔ میں نے۔۔۔ آٹھ دنوں سے انھیں نہیں دیکھا چاچو۔ کیا میں۔۔۔ اب انہیں کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔"

سات سالہ سمریز نے ہچکیوں سے روتے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے۔

"میری جان چاچو ہیں نا اپنے بیٹے کے پاس۔ چلو شاباش رونا بند کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انھوں نے سمریز کو ایک بار پھر سینے سے لگاتے ہوئے تسلی دی۔ دل تو ان کا اپنا بھی تکلیف میں تھا۔

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی طرح سب ٹھیک کر دیں۔ اس ننھے بچے کو کسی طرح اس کے ماں باپ واپس لا دیں مگر وہ بے بس تھے۔

وہ اسے اس دنیا کی ہر خوشی لا کر دے سکتے تھے مگر جس چیز کی اسے خواہش تھی وہ نہیں۔

زندگی میں کبھی نا کبھی انسان یوں ہی بے بس ہو جاتا ہے۔ وہ سوائے قدرت کے فیصلوں کو تسلیم کرنے کے کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ یہی حقیقت ہے کوئی بھی انسان کامل نہیں ہوتا اور یہ بے بسی یقین دہانی ہوتی ہے کہ ہر انسان اپنے رب کا محتاج ہے، زندگی کے ہر معاملے میں۔

اور آج عالمگیر بخاری اس ملک کا ایک بہت بڑا نام بے بسی کی انتہاء پر تھا۔

آج سمریز کے ماں باپ کو اس دنیا سے گئے آٹھ دن گزر چکے تھے۔ ایک روڈ ایکسیڈینٹ میں وہ دونوں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے اور یہ سمریز کی خوش قسمتی ہی تھی یا پھر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سمریز کی زندگی ابھی باقی تھی کہ جس رات ان کی گاڑی کا ایکسیڈینٹ ہوا وہ عالمگیر کے ساتھ تھا۔

عالمگیر اپنے بھائی سے بے حد محبت کرتے تھے۔ وہ لوگ خاندانی رئیس نہیں تھے۔ دونوں بھائی ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتے تھے مگر عالمگیر بخاری کی قسمت اچھی تھی اور کچھ ان کی محنت تھی کہ آج وہ ایک بہت بڑے کاروباری شخصیت تھے۔

انہوں نے چھوٹے سے کاروبار کو اپنی عقل و ذہانت سے پاکستان کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی ملکوں میں پھیلا دیا تھا۔ دوسری طرف سمریز کے والد کو کاروبار میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔ انہوں نے ہمیشہ نوکری کو ہی بہتر اوپشن سمجھا۔

وہ بھی اپنی زندگی میں بہت خوش تھے۔ وہ اپنی خودداری کے تحت کبھی عالمگیر سے کچھ نہیں لیتے تھے مگر سمریز کے معاملے میں عالمگیر ان کی ایک نہیں سنتے تھے۔ اس کیلیئے نئے نئے کھلونے لانا۔ اسے ہر ہفتے کہیں نا کہیں سیر کروانے لے کر جانا یہ سب ان کا معمول تھا۔ عالمگیر کی جان بستی تھی سمریز میں۔ اور اب اس کو یوں اس حالت میں دیکھ کر ان کا دل کٹتا تھا۔

اسی لیے انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ جلد ہی وقت نکال کر اسے کہیں گھمانے پھرانے لے جائیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ سمریز کو گھومنے پھرنے کا کتنا شوق ہے۔

ایک ماہ تک تو انہیں بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ سمریز کو سنبھالنا اور پھر ساتھ ساتھ بزنس کو دیکھنا یہ سب کافی مشکل تھا مگر پھر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہونے لگا۔ سمریز نے سکول جانا سٹارٹ کر دیا اور پھر عالمگیر کی توجہ ملنے پر وہ کافی بہتر ہو گیا تھا۔

اور پھر سمریز کے سکول میں سردیوں کی چھٹیوں ہونے پر عالمگیر اسے لے کر لندن چلے گئے۔ وہاں جا کر تو سمریز واقعی سب کچھ بھول بھال گیا تھا۔

روز عالمگیر کے ساتھ گھومنے پھرنے جانا اور بس وہاں آس پاس رہنے والے بچوں کے ساتھ کھیلنا کودنا۔ زندگی ایک بار پھر خوشحال ہونے لگی تھی۔

چاچو یہ میری زندگی کی سب سے اچھی ویکیشن تھیں۔ سمریز نے اپنے ساتھ بیٹھے عالمگیر سے کہا۔ وہ دونوں اس وقت لندن سے واپس پاکستان جانے والے پلین میں بیٹھے تھے۔

"اچھا۔۔۔ لگتا ہے کافی انجوائے کیا میرے بیٹے نے وہاں۔"

عالمگیر نے اس کے مسکراتے ہوئے پھولے گالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

سمریز نے ان کی بات پر پورے زور و شور سے ہاں میں سر ہلایا۔ اور پھر اگلی چھٹیوں میں دوبارہ یہاں آنے کا وعدہ بھی لیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ٹھیک ہے۔۔۔پر میں تو سوچ رہا تھا کہ اگلی ویکیشن میں کسی اور جگہ چلیں گے۔"عالمگیر نے کہا۔

"نہیں پہلے یہاں آئیں گے اس کے بعد کہیں اور چلیں گے۔"سمریز نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"پر کیوں ؟!اتنی اچھی لگی ہے کیا یہ جگہ ؟"عالمگیر نے سوال کیا۔

"کیوں کہ میں نے جارج اور لیوس سے وعدہ کیا ہے کہ اگلی چھٹیوں میں وہاں آؤں گا ان سے ملنے۔"سمریز نے جواب دیا۔

"ہاں ہاں بھئی اب تو تمہارے نئے دوست بن گئے ہیں اب تم چاچو کے ساتھ کیوں کھیلنے لگے بھلا۔"عالمگیر انداز میں مصنوعی ناراضگی سموتے ہوئے بولے اور اپنا رخ سامنے کی طرف کر لیا۔

"چاچو آپ جیلس ہو رہے ہیں نا۔"سمریز نے مسکراتے ہوئے زرا مزاق اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں۔۔۔بالکل نہیں میں بھلا کیوں جیلس ہوں گا ان دو انگریزوں سے۔"عالمگیر نے فوراً صفائی پیش کی۔

"چاچو آپ تو واقع جیلس ہو رہے ہیں۔" سمریز نے اپنی دونوں آئبروز اوپر نیچے کرتے ہوئے مکمل چڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔۔"

"آپ ہو رہے ہیں جیلس۔۔۔۔"

"نہیں ہو رہا۔۔۔۔"

"اچھا اچھا اب اتنے بھی جیلس نہ ہوں آپ تو میرے بیسٹ فرینڈ ہیں وہ تو صرف فرینڈ ہیں۔" عالمگیر کی مصنوعی ناراضگی دور کرنے کیلئے ان کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے بولا۔ انداز تھوڑا چاپلوسی کرنے والا تھا۔

"اچھا جی۔۔۔" عالمگیر اس کے اس مکھن لگانے والے انداز پر اسے گدگدی کرتے ہوئے بولے۔

اور سمریز کی کھلکھلاہٹیں آگے پیچھے بیٹھے لوگوں کو مڑ کر دیکھنے پر مجبور کر گئیں۔ لوگ رشک کی نگاہ سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ خوشیاں ابدی نہیں۔ کچھ وقت کے فاصلے پر ایک لمبی جدائی ان کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

اور پھر یوں ہی ماہ و سال گزرتے چلے گئے۔ سمریز کالج کے امتحانات دے چکا تھا۔اب رزلٹ کا انتظار تھا تاکہ کسی اچھی یونیورسٹی میں داخلہ لے سکے۔

عالمگیر چاہتے تھے کہ وہ بزنس کی ڈگری لے اور آگے جا کر ان کے ساتھ بزنس سنبھالے۔ کیونکہ عالمگیر کے بعد سب کچھ اسی کا تو تھا۔اور سمریز خود بھی بزنس ہی پڑھنا چاہتا تھا۔ مگر یہ تو وقت ہی بتانے والا تھا کہ کون کیا کرنے والا ہے کیونکہ جدائی کے لمحات بے حد قریب تھے۔

عالمگیر بخاری قتل سے بیس دن پہلے:

آج رات بخاری ہاؤس کو پوری طرح سے سجایا گیا تھا۔ ہر طرف روشنیوں کی ایک بہار آئی ہوئی تھی۔ باہر سے لوگوں کو یوں معلوم ہو رہا تھا کہ آج رات بخاری ہاؤس میں کوئی بہت بڑی تقریب ہونے جا رہی ہے اور یہ سچ تھا۔ آج کی رات بخاری ہاؤس میں سمریز بخاری کے پورے صوبے میں ٹاپ کرنے کی بنا پر ایک بہت بڑی تقریب رکھی گئی تھی۔ ملک کی بڑی بڑی نامور شخصیات کو تقریب میں مدعو کیا گیا تھا۔ بھئی عالمگیر بخاری کے لاڈلے نے پورے صوبے میں ٹاپ کیا تھا تو ایک بڑی سی تقریب تو بنتی تھی۔

عالمگیر بخاری کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ خود بھاگ بھاگ کر ہر کام کروا رہے تھے۔

وہ اس تقریب میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔

سمریز اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ گیا ہوا تھا تقریب کیلئے شاپنگ کرنے اور کچھ دوستوں کے ساتھ آوٹنگ بھی۔ اس کے بس تین ہی دوست تھے جو بچپن سے اس کے ساتھ تھے۔ وہ زیادہ دوست بنانے کا عادی نہیں تھا نہ ہی دوستوں کے ساتھ پورا پورا دن باہر پھرنے کا کوئی شوق تھا اسے۔ اس کی ذات بس عالمگیر کے ارد گرد ہی گھومتی تھی اور وہ ہی اس کے بیسٹ فرینڈ تھے۔

تقریب شروع ہونے میں اب کچھ ہی دیر رہ گئی تھی۔ مہمان آنا شروع ہو گئے تھے مگر سمریز ابھی تک گھر نہیں پہنچا تھا۔ اسی لیے عالمگیر اسے کال کرنے کیلئے لان سے اندر گھر کی طرف آئے اور ایک سائیڈ پر ہو کر کال ملائی۔

"آپ کا ملایا ہوا نمبر فی الحال بند ہے۔ برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کیجیئے۔"

ایک کال پھر دوسری پھر تیسری مگر جواب موصول نہیں ہوتا۔

سمریز نے کہا تھا کہ وہ سات بجے تک آجائے گا مگر اب ساڑھے سات ہونے کو آئے تھے لیکن وہ گھر نہیں آیا تھا۔ اب انہیں پریشانی ہونے لگی تھی۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ بنا

اطلاع کیے اتنی دیر گھر سے باہر رہا ہو اور وہ بھی تب جب وہ خود کہہ گیا تھا کہ وہ سات بجے گھر آجائے گا۔وہ پریشانی کے عالم میں اِدھر سے اُدھر چکر کاٹ رہے تھے اور ساتھ ساتھ مسلسل کال ملانے میں مصروف تھے۔ایک ماں کی طرح ان کا دل بے چین ہو رہا تھا۔جب آٹھ بجے تک سمریز گھر نہیں آیا تو انہوں نے اپنے پی۔اے کو سمریز کا نمبر ٹریس کرنے کو کہا اور خود اس کے دوستوں کو کال ملانے لگے۔

"بیٹا سمریز تمہارے ساتھ ہے؟" انہوں نے سمریز کے ایک دوست کو کال ملا کر اس سے سوال کیا۔

"نہیں انکل۔۔۔وہ تو چھ بجے ہی گھر آنے کیلئے نکل گیا تھا۔میں بھی بس تقریب میں آنے کیلئے نکل رہا ہوں۔کیا ہوا انکل وہ اب تک پہنچا نہیں گھر؟" اس نے انہیں تفصیل بتائی آخر میں اس کا لہجہ سوالیہ ہو گیا تھا۔

مگر عالمگیر تو جیسے حواس باختہ سے ہو گئے تھے۔وہ چھ بجے گھر آنے کیلئے نکلا تھا اور اب سوا آٹھ ہونے کو آئے تھے مگر وہ اب تک گھر نہیں آیا تھا۔اوہ خدایا وہ اب تک گھر نہیں آیا۔ان کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

انہوں نے کال کاٹ کر موبائل صوفے پر رکھا اور اپنے پی۔اے سے پوچھنے لگے۔

"کچھ پتا چلا حسن۔۔۔ نمبر ٹریس ہوا کہ نہیں؟" انہیں اپنی آواز کسی کھائی سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔

"نہیں سر ان کی لوکیشن نہیں ٹریس ہو رہی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی ایسی جگہ پر ہوں جہاں سگنل کا ایشو ہو اسی لیے لوکیشن ٹریس نہیں ہو رہی۔ پر آپ فکر نہ کریں سر میں کوشش کرتا ہوں ان کے بارے میں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔" حسن جوان کا پی۔اے تھا اس نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"کیسے پریشان نہ ہوں حسن آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کچھ کرو جلدی پتا کرو نا جانے میرا بچہ کہاں ہو گا۔" عالمگیر نے پریشانی کے عالم میں کہا اور وہیں قریب پڑے صوفے پر ڈھے سے گئے۔

"جی جی سر آپ پانی پیئں۔۔۔ وہ جلدی مل جائیں گے۔" حسن نے انھیں پانی کا گلاس پیش کرتے ہوئے تسلی دی۔ وہ کافی سالوں سے عالمگیر کے ساتھ کام کر رہا تھا اور ان چاچو بھتیجے کی محبت سے خوب واقف تھا۔

Clubb of Quality Content

اور پھر کچھ ہی دیر میں پورا بخاری ہاؤس غم ورنج کا گھوارہ بن گیا۔پورے گھر میں بکھری روشنیاں جو پہلے کسی خوشی کی نوید سنا رہی تھیں اب وہ روشنیاں بھی اس غم ورنج میں شریک ہو چکی تھیں۔

بخاری ہاؤس کی تمام رونق اب رنج کے اندھیرے میں ڈھل گئی تھی جب حسن پولیس کے ساتھ چھ گھنٹے کی مسلسل تلاش کے بعد بھی خالی ہاتھ لوٹا تھا۔پورا شہر چھان مارا تھا مگر سمریزا نھیں کہیں نہیں ملا تھا۔

جدائی کے لمحات آ پہنچے تھے۔

عالمگیر کو تو اب اس گھر کی تمام روشنیوں سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔دل تھا کہ چاہتا تھا بس کہیں سے سمریزان کے سامنے آجائے اور وہ اسے اپنے سینے میں کہیں چھپالیں۔یہ چند دن بے حد تکلیف دہ تھے۔وہ تو بس ہر وقت اسے تلاش کرنے کی نیت سے سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے رہتے۔حسن بہت مشکلوں سے انھیں گھر لے کر آتا تھا۔وہ ان چند دنوں میں بہت بوڑھے لگنے لگے تھے۔جدائی انسان کو دیمک کی طرح کھا جاتی ہے۔عالمگیر کو بھی اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی۔

اور پھر پندرہ دن گزر گئے مگر سمریز کہیں نہیں ملا۔ پولیس ابھی بھی اسے تلاش کرنے میں مصروف تھی۔ میڈیا پر بھی سمریز کی گمشدگی کی خبر گردش کرنے لگی تھی۔ پولیس کو لگا تھا کہ جلد ہی تاوان وغیرہ کے سلسلے میں کوئی کال لازمی آئے گی۔

جیسے اکثر امیر گھرانے کے بچوں کو تاوان کیلئے اغوا کیا جاتا ہے شاید سمریز کو بھی اسی لیے اغوا کیا گیا ہو مگر نہیں۔۔۔نہ تو کوئی کال آئی اور نہ ہی سمریز۔

****

پھر قدرت کو عالمگیر پر ترس آ ہی گیا اور ایک رات اغواء کار سمریز کو گھر کے باہر چھوڑ گئے۔ صبح کی روشنی پھیلی تو گارڈز کی نظر مٹی سے اٹے سمریز پر پڑی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر اندر لائے اور لے جا کر اسے اس کے کمرے میں لٹا دیا۔ عالمگیر کو ایک ملازم نے جا کر خبر دی تو وہ فوراً ہی خوشی اور حیرانگی کے عالم میں ننگے پیر اپنے کمرے سے بھاگتے ہوئے سمریز کے کمرے میں پہنچے۔

انھیں یوں لگ رہا تھا کے پندرہ دن کے بعد ان کے جسم میں ایک بار پھر روح ڈال دی گئی ہو۔ خوشی کے مارے ان کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔ جدائی کے بعد ایک بار پھر مل جانے کی

خوشی۔وہ بے ہوش تھا مگر سانس لے رہا تھا اور اس کے ساتھ عالمگیر بھی پندرہ دن کی موت کے بعد آج سانس لے رہے تھے۔

"سمریز میرا بچہ۔۔۔شکر ہے میرا سمریز ٹھیک ہے۔"انھوں نے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔وہ اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئے۔اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبائے وہ مسلسل اسے تکنے میں مصروف تھے۔

اس کے ماتھے پر زخم کا ایک گہرا نشان تھا۔انہوں نے فوراً فرسٹ ایڈ باکس منگوا کر اس کی پٹی کی۔اتنے میں ایک ڈاکٹر ملازم کے ساتھ اندر داخل ہوا شاید کسی ملازم نے ہی ڈاکٹر کو اطلاع دی تھی۔

ڈاکٹر نے اسے چیک کیا اور بتایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔اسے کوئی بے ہوشی کی دوا دی گئی ہے مگر وہ جلد ہی ہوش میں آجائے گا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد عالمگیر دوبارہ وہیں سمریز کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"آخر کون لوگ تھے؟کیا چاہتے تھے؟نہ کوئی تاوان مانگا نہ کچھ اور پھر ایسے ہی چھوڑ گئے۔"وہ مسلسل یہی سوچنے میں مصروف تھے۔

"پانی۔۔۔پانی۔۔۔" سمریز کی دھیمی سی آواز نے انھیں ان کے خیالوں سے باہر نکالا تھا۔وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہوش میں آیا تھا۔

"سمریز میرے بچے شکر ہے اللہ کا تمہیں ہوش آگیا۔" عالمگیر فوراً اس کی طرف ہلکے سے جھکتے ہوئے بولے۔

"پانی۔۔۔" سمریز نے خشک ہوتے گلے کے ساتھ ایک بار پھر کہا۔

"ہاں ہاں یہ لو پانی۔" انہوں نے فوراً سائیڈ ٹیبل پر پڑے پانی سے بھرے جگ میں سے کچھ پانی گلاس میں انڈیل کر اس کی طرف بڑھایا۔

وہ اُٹھ کر بیٹھا اور ایک ہی سانس میں پورا گلاس پی گیا شاید وہ کافی زیادہ پیاسا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا میرے بچے؟" عالمگیر نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے پوچھا۔

"جی چاچو میں تو ٹھیک ہوں۔ کیا ہوا آپ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہیں اور آپ۔۔۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا چاچو؟ آپ کافی بیمار لگ رہے ہیں۔"

سمریز نے الٹا ان سے سوال کیا۔عالمگیر کے چہرے پر جدائی کے دنوں نے کافی گہرا اثر چھوڑا تھا۔اسی وجہ سے سمریز نے پریشانی کے عالم میں الٹا انہیں سے سوال کیا۔

"میں ٹھیک ہوں میرے بچے اب تم آ گئے ہو نا تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" عالمگیر نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چومتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا ہے چاچو میں تو یہیں آپ کے پاس ہی تو تھا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" سمریز نے الجھ کر پوچھا۔

"اور یہ میرے کپڑے اتنے گندے کیسے ہو گئے اور میرے سر میں بھی درد سا ہو رہا ہے۔" اس نے الجھے سے انداز میں اپنی گردن کو اوپر نیچے ہلاتے ہوئے کہا۔

"سمریز بیٹا دیکھو جو بھی بات ہے مجھے بتاؤ۔۔۔ میں ان لوگوں کو بالکل نہیں چھوڑوں گا ٹھیک ہے۔۔۔ تم مجھے بتاؤ کون لوگ تھے وہ۔۔۔ کیا چاہتے تھے۔" عالمگیر کو لگ رہا تھا کہ شاید ان لوگوں نے سمریز کو ڈرایا دھمکایا ہو گا کہ وہ کسی کو بھی ان کے متعلق نہ بتائے اس وجہ سے شاید وہ ایسے بول رہا ہے جیسے اسے کچھ یاد نہیں۔ نہیں تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ یاد نہ ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

سمریز ان کی اس بات پر پہلے تو انہیں پریشان نگاہوں سے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

'چاچو آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں؟ بھلا میں کیوں کچھ چھپانے لگا آپ سے؟ بچپن سے آج تک کبھی کچھ چھپایا ہے کیا؟" سمریز نے آنکھیں سمیٹے پریشان نگاہوں سے سوال کیا۔

عالمگیر بس خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔پریشانی ان کے چہرے پر بھی اپنا اثر چھوڑنے لگی تھی۔

"چاچو کیا کچھ ہوا ہے؟ بتائیں مجھے آپ پریشان کیوں ہیں اتنے۔" سمریز نے ان سے ایک اور سوال کیا۔

"سمریز تمہیں آخری بات کیا یاد ہے بیٹا؟" عالمگیر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"جی؟" ان کے اس عجیب سوال پر وہ نا سمجھی سے بولا۔

"مجھے بتاؤ آخری بات کون سی یاد ہے تمہیں؟" عالمگیر نے پھر سے استفسار کیا۔

ان کے پھر وہی سوال کرنے پر وہ سوچ میں پڑ گیا مگر اچانک ہی اس کے سر میں درد کی شدید لہریں اٹھنے لگی تھیں مگر وہ برداشت کر گیا۔"چاچو میں عفان والوں کے ساتھ تھا۔ہم نے کچھ شاپنگ کی تھی مال سے پھر میں گھر آنے کیلئے نکل گیا تھا۔۔۔پر اس کے بعد کیا ہوا تھا۔" درد کی ٹیسیں حد سے بڑھنے لگی تھیں۔"چاچو ہمارے گھر تو تقریب تھی نا آج۔۔۔پر مجھے کچھ یاد کیوں نہیں آرہا کچھ۔۔۔آہ چاچو میرا سر۔۔۔بہت درد ہو رہا ہے۔چاچو مجھے کچھ یاد کیوں نہیں آرہا۔" اس بار وہ خود بھی کافی پریشان سا ہو گیا تھا۔جیسے جیسے وہ کچھ سوچنے کیلئے ذہن پر زور ڈال رہا تھا ویسے ویسے درد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"سمریز بیٹا لیٹ جاؤ۔۔۔لیٹ جاؤ۔۔۔کچھ نہیں ہوا آہستہ آہستہ سب یاد آ جائے گا۔ پریشان مت ہو ہاں۔آرام کرو تم۔"عالمگیر نے اسے لیٹاتے ہوئے کہا اور مزید کوئی سوال نہیں پوچھا۔اور اسے سونے کی تلقین کر کے باہر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

اب ان کا ارادہ ڈاکٹر کو بلا کر ان سے یہ سب شیئر کرنے کا تھا۔

"چاچو مجھے بتائیں تو سہی ہوا کیا ہے؟"مگر سمریز نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں باہر جانے سے روک لیا۔پھر عالمگیر نے بھی اسے سب کچھ بتا دیا کہ کیسے وہ تقریب کی رات گھر نہیں پہنچا تھا اور پھر انہوں نے اسے کتنا ڈھونڈا مگر وہ کہیں نہیں مل سکا اور پھر آج صبح وہ انہیں گھر کے باہر سے ملا۔عالمگیر کی بات سن کر وہ تھوڑا پریشان ضرور ہوا تھا مگر پھر عالمگیر کی آبدیدہ آنکھیں دیکھ کر اس نے انہیں گلے لگا لیا۔

"ارے چاچو کیا ہو گیا ہے۔پریشان نہ ہوں دیکھیں اب تو آپ کے سامنے موجود ہوں ۔۔۔بالکل صحیح سلامت ایک دم زبردست۔۔۔ریلیکس یار کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔"

اس نے ان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔عالمگیر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے بتائیں کہ یہ پندرہ دن انہوں نے کیسے گزارے تھے۔ایک ایک لمحہ قیامت کی طرح گزرا تھا۔مگر وہ دونوں ہی نہیں جانتے تھے کہ یہ تو چند دنوں کی جدائی

تھی جو عالمگیر کے حصے میں آئی تھی ابھی تو ایک لمبی جدائی باقی تھی جو سمریز کے حصے میں آنی تھی۔

اگلے دن عالمگیر نے ڈاکٹر سے ساری بات ڈسکس کی۔اس وقت وہ تینوں ہی سمریز کے کمرے میں موجود تھے۔ڈاکٹر نے سمریز سے کافی سوال پوچھے اور آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان لوگوں نے اس کی پچھلے پندرہ دن کی میموری واش کر دی ہو گی۔ تبھی اسے کچھ یاد نہیں اور سر درد بھی اسی لیے ہے جو کہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔

****

اب سمریز کے یونیورسٹی ایڈمیشن کے دن قریب آ گئے تھے۔دونوں روز ہی کسی نا کسی یونیورسٹی کو وزٹ کرنے نکلے ہوتے تھے۔ابھی بھی وہ دونوں کسی یونیورسٹی کو وزٹ کر کے گھر لوٹ رہے تھے۔

"کچھ کھائیں گے ؟"راستے میں سمریز نے عالمگیر سے سوال کیا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔۔۔"عالمگیر نے مسکراتے ہوئے حامی بھری۔

ان کے جواب پر وہ بھی مسکرا اُٹھا اور ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روکی اور دروازہ کھول کر باہر بڑھ گیا۔

اور پھر دس منٹ بعد وہ واپس آتا ہوا نظر آیا۔اس کے ہاتھ میں بر گر کے دو پیکٹس اور دو کولڈ رنکس تھیں۔عالمگیر اسے ہی دیکھ رہے تھے جب اچانک ایک تین چار سال کا بچہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ سمریز نے مسکرا کر بچے کو کچھ کہا اور پھر گاڑی کی طرف بڑھ آیا۔عالمگیر کے چہرے پر ایک مسکان سی کھل آئی یہ سوچ کر کے ان کا چھوٹا سا بھتیجا جسے وہ یوں ہی گود میں اُٹھائے بر گر اور کولڈ ڈرنک دلایا کرتے تھے آج وہ ان کے قد سے اوپر نکل گیا تھا اور کیسے بھاگ بھاگ کر سارے کام کرتا پھرتا تھا۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھے جب سمریز گاڑی میں آکر بیٹھا اور ہاتھ میں موجود ایک بر گر اور کولڈ رنک ان کی طرف بڑھایا۔

"ڈیٹس یور آرڈر سر۔" سمریز نے دونوں چیزیں ان کی طرف بڑھائیں۔

"تھینک یو مائے لٹل سن۔" عالمگیر نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کم آن چاچو اب میں کم سے کم لٹل تو نہیں رہا یار۔" سمریز تھوڑا چڑتے ہوئے بولا۔

"تم چاہے جتنے بڑے کیوں نا ہو جاؤ میرے لیے ہمیشہ بچے ہی رہو گے۔" عالمگیر مسکراتے ہوئے بولے نظریں ابھی بھی اس کے چہرے پر اٹکی تھیں۔

چاچو ہم سب فرینڈز آج رات عادل کے گھر رکنا چاہ رہے ہیں۔ صرف ایک رات تو۔۔۔ میں بھی چلا جاؤں؟ سمریز نے ان سے اجازت مانگی۔ انداز میں تھوڑی جھجک تھی کہ کہیں وہ منع نہ کر دیں۔

عالمگیر ابھی بھی مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہے تھے جیسے آخری بار دیکھ رہے ہوں۔

اس کے یوں ڈرتے ہوئے اجازت مانگنے پر وہ کھل کر ہنس دیے۔

ہاں چلے جاؤ۔۔۔ پر رہنا کیوں ہے وہاں تم لوگوں کو اپنے اپنے گھروں میں نیند نہیں آتی کیا جو عادل کی طرف رکنا ہے؟ عالمگیر یہ کہتے ہوئے برگر کھانے لگے۔ ان کی بات پر سمریز بھی مسکرا دیا۔

"نہیں چاچو بس ابھی سٹڈی وغیرہ کی کوئی ٹینشن نہیں ہے اور پھر آپ نے شہر سے باہر تو جانے نہیں دینا اکیلے اور عفان کے بابا بھی نہیں مانیں گے اس لیے سوچا کہ چلو کسی کے گھر ہی پارٹی کر لیتے ہیں اور پھر لیٹ نائٹ تک مووی وغیرہ بھی دیکھنے کا پلان ہے اور اتنی رات کو گھر آنے سے بہتر ہے وہیں رک جائیں۔" سمریز نے انہیں تفصیل بتائی۔

"ہاں ٹھیک ہے کرلو مزے آگے تو پھر پڑھائی شروع ہو جانی ہے۔پر صبح جلدی آجانا۔ تمہیں معلوم ہے ناتمہارے بغیر ناشتہ نہیں کرتا میں اور اس واقعے کے بعد سے تو دل میں عجیب ہی خدشات آتے رہتے ہیں۔"انہوں نے یہ کہااور پھر برگر کاایک بائیٹ لیا۔

ان کے اس واقعے کے زکر پر برگر کھاتا سمریز ایک منٹ کیلئے رُک سا گیا۔

"آخر مجھے ان پندرہ دنوں کی کوئی بھی بات یاد کیوں نہیں آتی۔۔۔کیوں اغوا کیا تھا ان لوگوں نے مجھے۔۔۔چاہتے کیا تھے اور پھر یوں چھوڑ بھی دیا

۔۔۔کہیں وہ لوگ دوبارہ سے ایسی کوئی حرکت نا کریں۔"وہ ایک گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔"خیر دیکھا جائے گا اللہ مالک ہے۔"اور پھر سر جھٹک کر دوبارہ برگر کھانے لگا۔وہ یوں ہی اکثر اس بارے میں سوچتا تھا مگر جواب نہیں مل پاتا تھا۔مگر جلد ہی ہر سوال کا جواب ملنے والا تھا۔سمریز بخاری کی زندگی کے ہر راز سے پردہ اُٹھنے والا تھا۔

****

رات کی ہیبت ناک سیاہی پورے شہر پر اترنے لگی تھی۔یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ سیاہ رات ہر چیز کو اپنی سیاہی میں جذب کر لے گی۔برائیوں کی علامت یہ سیاہی بخاری ہاؤس پر بھی پھیل گئی تھی۔

سمریز اور عالمگیر بخاری ساتھ بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔عالمگیر سمریز کے بغیر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے اسی لیے سمریز ان کے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھا رہا تھا۔عالمگیر نے اسے روکا بھی کہ اسے پارٹی میں جا کر بھی کھانا پینا ہو گا وہ اکیلے کھا لیں گے وہ زحمت نہ کرے مگر وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ان کے ساتھ کھانا نہ کھایا تو وہ یوں ہی بنا کچھ کھائے پیئے سو جائیں گے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کھانے سے تھوڑے دور ہی بھاگتے تھے۔ سمریز انہیں زبردستی کھانا کھلاتا تھا۔

اور پھر رات نو بجے کے قریب سمریز عالمگیر سے مل کر عادل کے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

اس سب سے بے خبر کہ وہ دونوں تاک لگائے بیٹھے ایک شکاری کی نگاہ میں ہیں۔

سمریز اور اس کے کچھ دوست عادل کے گھر جمع ہو گئے تھے۔ان لوگوں نے کھانے پینے کا سامان آرڈر کیا اور پھر مووی دیکھنے کیلئے سیٹ اپ تیار کرنے لگے۔ٹی وی لاؤنج میں ایک دیوار سے ہر طرح کا سامان اتار کر وہاں پروجیکٹر کیلئے سفید شیٹ لگائی۔اور پھر پروجیکٹر کو یوں ایڈجسٹ کر کے لگایا کہ سیدھا فوٹیج سامنے سفید شیٹ پر پڑے۔اور پھر پورے لاؤنج سے صوفے ہٹا کر وہاں دو بڑے بڑے گدے بچھائے اور بہت سارے کشن رکھ کر اپنی اپنی جگہ سنبھالی۔

اتنے میں ان کا آرڈر بھی آگیا تھا اور پھر وہ سب ہارر مووی دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔

مگر مووی دیکھنے سے زیادہ وہ لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے میں مصروف تھے کہ کون سب سے پہلے ڈرے گا یا پھر یہاں سے اُٹھ کر بھاگے گا۔ان لوگوں نے شرط لگا رکھی تھی کہ جو سب سے پہلے ہار مانے گا وہی اگلی بار سب کو ٹریٹ دے گا۔وہ لوگ مووی دیکھنے کے بعد کچھ دیر یوں ہی ہنسی مزاق کرتے رہے اور پھر رات گئے تک گھوڑے بیچ کر سو گئے تھے۔اس سب سے بے خبر کے کل کا سورج سمریز بخاری پر قیامتِ صغریٰ کا پیغام لے کر آئے گا۔

صبح پانچ بجے کے قریب سمریز کی آنکھ کھلی تھی۔اس کا جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ تنفس بگڑا ہوا تھا۔ جسم میں عجیب سی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کسی برے خواب سے جاگا ہو۔ عجیب سی گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔اس نے آس پاس دیکھا تو اس کے دوست وہیں میٹرس پر الٹے سیدھے سو رہے تھے۔

اس کا دماغ بار بار عالمگیر کی طرف جا رہا تھا لیکن پھر اس نے خود کو ڈپٹ دیا کہ شاید پہلی بار وہ یوں عالمگیر کے بغیر رہا ہے اس لیے عجیب وہم ہو رہے ہیں اور ایک بار پھر سونے کیلیئے لیٹ گیا۔ مگر مسلسل کروٹیں بدلنے کے بعد بھی جب نیند نہیں آئی تو وہ اُٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

"اب اِدھر سے اُدھر کروٹیں بدلنے سے بہتر ہے گھر جا کر سکون سے سو جاؤں۔" یہ اس نے دل میں سوچا تھا یا شاید خود کو احساس دلایا تھا کہ وہ کسی وہم کے زیرِ اثر گھر نہیں جا رہا بلکہ نیند کی خاطر گھر جا رہا ہے مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ دل کے کسی کونے میں کچھ چھن جانے کا خدشہ موجود تھا۔

اور پھر جب وہ اپنے گھر کی گلی میں داخل ہوا تو اپنے گھر کے سامنے رش دیکھ کر دل سچ میں بے چین ہو گیا تھا۔اور یہ بے چینی تو ساری زندگی کیلئے اس کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔

گھر کے سامنے رک کر اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی کیونکہ جس گھر میں وہ سکون کی نیند لینے آیا تھا وہاں اب کوئی گھر باقی ہی نہیں رہا تھا۔بخاری ہاؤس کسی کھنڈر کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔اس کے آس پاس لوگوں کا ہجوم لگا تھا۔پولیس اور فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔یہ منظر دیکھ کر اس کے قدم لڑکھڑا سے گئے۔

کیا تم جانتے ہو روح کیلئے سب سے تکلیف دہ لمحہ کونسا ہوتا ہے؟

اپنے کسی پیارے کو اپنی آنکھوں کے سامنے تکلیف دہ موت مرتے دیکھنا۔روح میں اذیت سی بھر جاتی ہے۔سانسیں بند ہونے لگتی ہیں۔اور بعض اوقات تو انسان زندہ ہو کر بھی

اپنے پیارے کے ساتھ ہی اذیت ناک موت مر جاتا ہے۔اور سمریز بخاری نے تو اپنوں کو بہت بار خود سے دور جاتے دیکھا تھا۔پہلے ماں، باپ اور اب اس دنیا میں موجود واحد رشتہ۔ نا جانے یہ زندگی اس پر اتنی تنگ کیوں ہوتی جا رہی تھی۔

اس وقت اس کے سامنے پورا عالمگیر ہاؤس راکھ کا ایک ڈھیر بنا کھڑا تھا اور جو تھوڑا بہت بچا تھا وہ سمریز کو اپنے اوپر گرتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے ہمت کر کے گھر کے اندر قدم رکھا۔اس امید کے ساتھ کہ شاید عالمگیر کو بچا سکے مگر گھر کی جو حالت تھی اسے دیکھ کر اس کے اندر سے بار بار یہی آواز آ رہی تھی کہ نہیں وہ اب انہیں کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔

مگر دل ماننے کو تیار نہیں تھا۔ابھی اس نے ہمت کر کے گھر کا دروازہ پار کیا ہی تھا کہ کسی نے اس کا بازو پکڑ کر اسے پیچھے دھکیلا۔

"کدھر جاتے جا رہے ہو نظر نہیں آ رہا کرائم سین ہے یہ۔کسی کا بھی اندر آنا سختی سے منع ہے۔چلو باہر۔"

ایک پولیس حوالدار اس کے سامنے کھڑا سختی سے کہہ رہا تھا۔

"میرے چاچو۔۔۔۔ میرے چاچو اندر ہیں۔ مجھے جانا ہے۔۔۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

سمریز کا دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ بس گھر کے اندر عالمگیر کے راکھ بنے کمرے کی طرف بے یقین نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ اور ہاتھ مسلسل خود کو اس پولیس اہلکار کی گرفت سے نکالنے کی تگ ودو میں لگے تھے۔ اور وہ کامیاب بھی ٹھہرا تھا۔ وہ خود کو اس پولیس اہلکار کی گرفت سے چھڑوا کر اندر کی طرف بھاگا تھا۔ وہ پولیس اہلکار بھی اس کے پیچھے گیا تھا۔

وہ ان کے کمرے کے سامنے پڑے ملبے کو دیوانہ وار ہٹاتے ہوئے اندر بڑھا۔ کمرے کی ہر چیز راکھ کا ڈھیر بنی ہوئی تھی۔ "کیا چاچو بھی اس راکھ کا حصہ بن گئے ہوں گے؟" یہ سوچ آتے ہی اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ پولیس اہلکار اس تک پہنچ گیا تھا اور اب اسے کھینچ کر باہر لے جا رہا تھا۔ آنسوں مسلسل اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ "نہیں۔۔۔ نہیں ہو سکتا ہے چاچو یہاں ہوں ہی نہ۔۔۔ شاید وہ گھر سے باہر چلے گئے ہوں۔۔۔ یا اللہ میرے چاچو۔" وہ دل ہی دل میں سوچتا بس کسی بے جان انسان کی طرح اس پولیس اہلکار کے ساتھ کھنچتا چلا جا رہا تھا۔ نظریں مسلسل راکھ ہوئے کمرے پر اٹکی ہوئی تھیں۔

وہ پولیس اہلکار سمریز کا عالمگیر سے رشتہ جان کر اسے یوں ہی اپنی گرفت میں لیے ہوئے ڈی ایس پی کے پاس پہنچا۔

"سر یہ ہے وہ عالمگیر کا بھتیجا۔ جس کے بارے میں پڑوسی بتا رہے تھے۔" اس پولیس اہلکار نے سمریز کو ڈی ایس پی کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

ڈی ایس پی نے سمریز کی حالت دیکھی تو افسوس سے گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ مسلسل بس صدمے کی کیفیت میں گھر کے اندر کچھ تلاش رہا تھا اور کون انکار کر سکتا تھا کہ وہ اپنے بیسٹ فرینڈ کی تلاش میں تھا۔ آنسو مسلسل آنکھوں سے بے پرواہ لڑیوں کی طرح گر رہے تھے۔ آس پاس کے لوگوں نے پولیس کو بتایا تھا کہ عالمگیر کے ساتھ بس ان کا ایک بھتیجا رہتا ہے اور ان دونوں کی ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کی گواہی بھی دی تھی۔

اور اب وہ ڈی ایس پی اپنی آنکھوں سے اس کی قابل ترس حالت کو دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو بچے جو کچھ بھی ہوا مجھے بہت افسوس ہے۔ مگر دیکھو تمہیں ہمت کرنی ہوگی۔ ہماری مدد کرو تاکہ ہم جلد از جلد کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔"

ڈی ایس پی فاروق احمد نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"کیا میرے چاچو۔۔۔واقعی نہیں رہے؟" سمریز ہی جانتا تھا اس نے یہ الفاظ کیسے ادا کیے تھے۔دل کی پکار سے انکار کیا تھا تکلیف تو ہونی تھی۔

"دیکھو بیٹا یہی زندگی ہے ایک نا ایک دن سبھی نے جانا ہے۔ہمت کرو اور مجھے بتاؤ کہ تمہارے چاچو کی کسی سے کوئی دشمنی وغیرہ تھی کیا؟" ڈی ایس پی نے اس سے سوال کیا۔

جواب میں اس نے بس نفی میں گردن ہلادی۔

"اور دیکھو یہ سامان تمہارے چاچو کا ہی ہے نا؟" ڈی ایس پی نے ایویڈینس پیکٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا جس میں ایک گھڑی،انگھوٹی اور ایک وائلٹ تھا۔

"ہاں۔۔۔ہاں یہ چاچو کا سامان ہے۔یہ مجھے دے دیں پلیز یہ انگھوٹی میرے چاچو کو بہت پسند تھی۔پلیز یہ مجھے دے دیں۔" اس نے منت کرنے والے انداز میں کہا۔

"بیٹا یہ ہم تمہیں نہیں دے سکتے یہ سب ایویڈینس کے طور پر یوز ہوگا۔کیا تم نہیں چاہتے کہ اگر یہ قتل ہے تو تمہارے چاچو کو انصاف ملے ہاں؟" انداز پھر سمجھانے والا تھا۔

"چاہتا ہوں۔" سمریز بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"ٹھیک ہے بچے پھر ہمارے ساتھ کو آپریٹ کرو تاکہ ہم جلد ہی کوئی نتیجہ نکال سکیں۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

"کیسا نتیجہ ؟" سمریز نے سوال کیا۔

"یہی کہ یہ قتل ہے یاں پھر شارٹ سرکٹ کی وجہ سے لگنے والی آگ۔" ڈی ایس پی نے جواب دیا۔

اور پھر سمریز خاموشی سے پولیس کو ان کی کاروائی کرتے دیکھتا رہا۔ یہی وہ وقت تھا جب سمریز نے دل میں خود سے عزم کیا گیا تھا کہ اگر تو یہ قتل ہے تو چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ عالمگیر کا بدلہ لے کر رہے گا۔

عالمگیر کی موت کی خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیلی تھی۔ آئے دن ہی ان کے کوئی نا کوئی رشتے دار سمریز سے عیادت کرنے آتے رہتے تھے۔ وہ اس وقت اپنے دوست عادل کے گھر رہ رہا تھا۔ عادل توصیف سمریز کا وہی دوست تھا جس کی طرف ان لوگوں نے عالمگیر کے قتل کی رات پارٹی کی تھی۔ عادل اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ جو گاؤں سے یہاں شہر میں اپنے تین چار کزنز کے ساتھ پڑھنے آیا ہوا تھا۔ اس کے دادا گاؤں کے وڈیرے تھے۔ اور یہ گھر دادا نے ہی ان کو لے کر دیا تھا۔ کیونکہ دادا کے مطابق گاؤں کے ہونے والے وڈیرے کسی چھوٹے موٹے ہاسٹل میں بالکل نہیں رہ سکتے۔ سمریز کے ساتھ ہوئے واقع کے

بعد عادل اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا تھا۔بخاری ہاؤس تو ویسے بھی رہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

ایک شام شاہد بخاری بھی اس سے عیادت کیلئے آئے تھے۔وہ عالمگیر کے چچازاد بھائی تھے۔ سمریز پہلے بھی کافی بار ان سے مل چکا تھا۔اس نے انہیں پہلی بار تب دیکھا تھا جب وہ سات سال کا تھا اور ابھی اسے عالمگیر کے ساتھ رہتے ہوئے چند دن ہی ہوئے تھے۔تب وہ ان کے گھر آئے تھے۔تب ان کے اور عالمگیر کے بیچ کافی تلخ کلامی ہوئی تھی۔ سمریز سمجھ نہیں پایا تھا کہ آخر وہ دونوں کس بات پر لڑ رہے ہیں اور پھر کچھ عرصے بعد وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے معافی مانگتے ہوئے پائے گئے تھے۔تب بھی سمریز سمجھ نہیں پایا تھا کہ ان دونوں میں سے غلطی کس کی ہے جو دونوں ہی ایک دوسرے سے معافی مانگ رہے ہیں۔ کاش وہ سمجھ پاتا۔اس کے بعد بھی سمریز نے انہیں کافی بار عالمگیر کے آفس میں دیکھا تھا۔

اس وقت وہ دونوں ہی عادل کے گھر کے ڈرائینگ روم میں براجمان تھے۔شاہد بخاری نیلے تھری پیس سوٹ میں ملبوس صوفے پر پوری شان سے بیٹھے تھے۔ان کے عین مقابل عام سے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس سمریز بیٹھا تھا۔

یہ ان دونوں کی ایک دوسرے کے مقابل پہلی ملاقات تھی۔

"مجھے بہت افسوس ہوا بیٹا، عالمگیر کے جانے کا۔"

سمریز نے انہیں کہتے سنا۔ آواز تھوڑی رنجیدہ تھی۔ "میری عالمگیر سے کبھی اتنی بنی نہیں تھی۔ ہماری بچپن سے ہی کسی نا کسی بات پر لڑائی ہوتی رہی ہے۔ مگر وہ میرا بھائی تھا۔ میرے ابا جان کا سب سے فیورٹ بھتیجا۔" لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو اپنے کسی پیارے کو یاد کر کے اکثر ہی لبوں کو چھو جاتی ہے۔

"ابھی تو اور بھی بہت سا لڑنا تھا مجھے اس سے۔ اتنی جلدی چھوڑ کر چلا گیا وہ ہمیں۔" یہ بات کرتے ہوئے شاہد خود بھی آبدیدہ ہو گئے تھے۔ ایک لمحے کو سمریز کی اپنی آنکھیں بھی چھلکنے لگی تھیں مگر اس نے اپنے آنسو اندر ہی کہیں اتار لیے۔ جانتے ہو آنسوؤں کا بہہ جانا بھی ایک نعمت ہے اگر اندر گرتے چلے جائیں تو اپنی تیزابیت سے دل کو جلانے لگتے ہیں اور جلنے کی تکلیف تو سوہانِ روح ہوتی ہے۔

اس کا دل بھی جل رہا تھا مگر دل کی تکلیف روح کی تکلیف سے زیادہ ہوتی ہے کیا؟

"مگر ہم انسان کیا کر سکتے ہیں جو اللہ کو منظور۔" پھر کچھ دیر کے توقف سے کہا۔ "اب آگے کیا سوچا ہے تم نے کہاں رہو گے اب؟ میرا مطلب ہے وہ گھر تو جل گیا ہے۔ اسے

دوبارہ رینویٹ ہونے میں تو کافی وقت لگے گا اور پیسہ بھی۔اس لیے کیا سوچا ہے تم نے کیا کروگے اب؟"بے حد فکر مندانہ لہجے میں سوال کیا گیا۔

"چاچو کے اکاؤنٹس وغیرہ سب ملا کر اتنے پیسے ہو جائیں گے کہ گھر کو رینویٹ کروالوں اور باقی آگے وہی کروں گا جو چاچو چاہتے تھے۔بزنس کی ڈگری لوں گا ان کا بزنس سنبھالوں گا اور ساتھ ساتھ ان کے قتل کا بدلہ بھی لوں گا۔"

آخری بات پر اس کی آنکھوں میں سختی اتر آئی تھی۔

شاہد کے کان فوراً کھڑے ہوئے تھے۔

"قتل۔"شاہد نے حیرانی سے استفسار کیا۔

"جی ہاں قتل۔آج صبح ہی ڈی۔ایس۔پی سر کی کال آئی تھی۔پولیس کو وہاں ایک چاقو ملا تھا۔اس پر خون بھی لگا ہوا تھا۔آج ہی فورینسک رپورٹ سے ثابت ہوا ہے کہ وہ خون چاچو کا تھا۔اس قاتل نے پہلے انہیں قتل کیا اور پھر گھر جلا دیا۔"سمریز نے ایک بار پھر باہر آتے آنسوؤں کو اندر دھکیلا تھا۔اس نے اس بات کو قبول کر لیا تھا کہ وہ اب اس دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے اور اس دنیا میں اکیلے سروائیو کرنا آسان نہیں ہوتا۔اپنے آنسوؤں سے دل کو جلانا پڑتا ہے اور زخموں کو چھپانا پڑتا ہے۔نہیں تو آنسوؤں کا فائدہ اُٹھانا اور زخموں کو اُدھیڑنا اس دنیا کا

پسندیدہ مشغلہ ہے۔اس لیے اس نے اپنے آنسو اور زخم چھپا لیے تھے اس دنیا کے ہر انسان سے کیونکہ یہ شروعات تھی۔ایک نئے سمریز بخاری کی ایک نئی زندگی کی شروعات۔

"تمہیں کسی پر شک ہے کیا؟" شاہد نے اسے بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں شک تو نہیں ہے کسی پر لیکن ضرور کسی نے حسد کے نتیجے میں یہ سب کیا ہے۔" سمریز نے پورے یقین سے کہا۔

"حسد کے نتیجے میں۔۔۔پر تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" شاہد نے مزید ایک سوال کیا۔

"آپ خود سوچیں کوئی انہیں آ کر مار گیا یعنی وہ ان کا دشمن تھا مگر اس کے بعد اس نے پورے گھر کو بھی جلا ڈالا۔اس سے تو صاف ظاہر ہے وہ شخص ناجانے کب سے حسد کی آگ میں جل رہا تھا جو آگ اس نے ہماری زندگیوں میں بھی لگا دی۔ مگر میں بھی سمریز بخاری ہوں اگر اسی کی لگائی آگ میں اسی کو جلا کر راکھ نہ کر دیا تو میری سانسیں مجھ پر حرام ہوں گی۔"

سمریز نے سنجیدہ آنکھوں کے ساتھ بات مکمل کی۔اس وقت شہد رنگ آنکھیں بے حد سرد دکھائی دے رہی تھیں۔ کہیں سے بھی یہ سرد آنکھیں کسی اٹھارہ انیس سالہ لڑکے کی

نہیں لگ رہی تھیں۔ شاہد نے ان آنکھوں سے نظریں ہٹالیں۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سرد آنکھیں انہیں برف کر دیں گی۔

"بچے انتقام کے راستے پر چلو گے تو اس آگ کا دھواں تمہیں بھی سیاہ کر دے گا۔ تمہارے چاچو نے تمہیں سفید بنایا ہے خود کو سیاہی میں مت ڈوبنے دو۔" شاہد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور یہ سفیدی کس کیلیئے قائم رکھوں؟ سمریز کو سفید بنانے والا انسان حسد کی سیاہی کا شکار ہوا ہے۔ اور اب یہ سفید نوحہ گر سیاہ ہو کر اس حسد کی آگ میں جلتے سیاہ قاتل سے بدلہ لے گا۔" ایک بار پھر سرد آنکھوں سے جواب دیا گیا۔

"اور تم یہ سب کرو گے کیسے؟ کیا پولیس ڈھونڈ لے گی اس مجرم کو؟" شاہد نے مزید ایک سوال داغا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کیا میں پولیس کے سہارے بیٹھا رہوں گا کہ پولیس اس مجرم کو ڈھونڈے، عالمگیر بخاری کو انصاف دلوائے ہاں۔" سمریز نے الٹا ان سے سوال کیا۔ ہونٹوں پر پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔ مگر آنکھیں۔۔۔ شہد رنگ آنکھیں ابھی بھی سرد تھیں۔

"تو پھر۔" شاہد اس کی سرد آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

"پولیس تو صرف راستہ بنے گی اس مجرم تک پہنچنے کا۔ اسے اس کی حسد کی آگ میں جلانا تو سمریز بخاری کا کام ہے اور یہ کام میں اپنی پوری لگن سے انجام دوں گا۔" آنکھوں میں ایک عزم تھا۔

"ٹھیک ہے اگر تم نے یہ راستہ چن ہی لیا ہے تو بیسٹ آف لک۔ دیکھتے ہیں تمہارا یہ انتقام کا راستہ تمہیں کہاں لے کر جاتا ہے۔ مگر فلحال تم میرے بیٹے ہو۔ بچے ہو، ابھی رہنے کی جگہ تک نہیں ہے تمہارے پاس کب تک یوں دوست کے گھر رہو گے۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ اپنی پڑھائی مکمل کرو اور پھر جیسے چاہو بدلہ لو اپنے چاچو کا، ہاں۔" شاہد نے بڑے فکرمندانہ لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اب کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے شاہد صاحب۔ میرے چاچو نے مجھے اتنا مضبوط بنایا ہے کہ میں اکیلے سروائیو کر سکتا ہوں اور ویسے بھی میں کوئی اتنا چھوٹا بچہ نہیں ہوں کہ لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو جاؤں گا۔ آپ کے احسان کا شکریہ شاہد صاحب۔" سمریز نے پورے اعتماد سے دعویٰ کیا تھا۔

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا بیٹا۔ ہمارے خاندان کا حصہ ہو تم۔ میرا فرض بنتا ہے تمہاری مدد کرنا۔ مگر تم نے صحیح کہا بچے نہیں ہو تم۔ انتقام کی راہ چننے والا کوئی بھی بچہ نہیں ہوتا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ جانے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سمریز بھی انہیں الوداع کرنے کیلئے اُٹھا۔ شاہد نے اس سے ہاتھ ملایا اور کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے بولے۔

"مگر بیٹا میرے گھر کے دروازے ہمیشہ تمہارے لیے کھولے ہیں۔ یہ میرا کارڈ رکھ لو۔ جب ضرورت محسوس کرو گے تم مجھے ہمیشہ اپنے پاس ہی پاؤ گے۔ جب بھی کسی بھی قسم کی کوئی مدد چاہیئے ہو تو تم بلا جھجک میرے پاس آسکتے ہو۔ میں بھی آخر عالمگیر کی طرح چاچو ہی ہوں تمہارا۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آخری جملہ کہا اور پھر دو منٹ کے توقف کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

"عالمگیر بخاری کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا شاہد صاحب۔۔۔ سمریز بخاری خود بھی نہیں، باقی سب تو دور کی بات ہیں۔" سمریز کی آواز پر شاہد کے باہر جاتے قدم منجمد ہو گئے۔ وہ صرف اپنی نکھوں سے ہی نہیں بلکہ اپنے لہجے اور الفاظ سے بھی سامنے والے کو

برف کا مجسمہ بنانے کا ہنر رکھتا تھا۔ان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔اور پھر وہ بنا کچھ کہے باہر کی طرف بڑھ گئے۔

****

چھ مہینے کا عرصہ پوری دنیا کیلئے پر لگا کر اُڑ گیا۔اگر اس عرصے کی رفتار کسی کیلئے سست ہوئی تھی تو وہ سمریز بخاری تھا۔جس کیلئے اس دنیا میں اکیلے سروائیو کرنا لکھ دیا گیا تھا۔اس کا ایک ایک دن کٹھن اور ایک ایک رات بے چینی میں گزرتی تھی۔

اس چھ مہینے کے عرصے میں اس نے یونیورسٹی جوائن کر لی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ روز یونیورسٹی سے واپسی پر وہ عالمگیر کے آفس جایا کرتا تھا۔اب آخر یہ سب اسی کو تو سنھالنا تھا۔مگر اتنا بڑا بزنس جس کی شاخیں بیرونِ ملک تک پھیلی ہوں اسے ہینڈل کرنا ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔اور سمریز بخاری کیلئے اتنی سی عمر میں پڑھائی کے ساتھ اس کاروباری دنیا کی چالوں میں سے نکل کر خود کو محفوظ طریقے سے منزل تک پہنچانا ایک ناممکن عمل بنتا جا رہا تھا۔اگر وہ کاروبار پر دھیان دیتا تو پڑھائی ڈگمگانے لگتی اور اگر پڑھائی پر دھیان دیتا تو کاروبار نقصان اُٹھانے لگتا۔اور اس سب کے ساتھ ساتھ عالمگیر کے قتل کا انتقام۔وہ اس دنیا میں برے

طریقے سے پھنسا تھا۔اسے ایک بڑی آزمائش میں ڈالا گیا تھا۔نہ جانے یہ آزمائش کہاں ختم ہوتی۔نہ جانے اس آزمائش کا صلہ کس صورت میں ملنا تھا۔

چھ ماہ کی طویل مدت کے بعد بخاری ہاؤس ایک بار پھر اپنی پوری شان کے ساتھ کھڑا ہو چکا تھا۔ سمریز عادل کا گھر چھوڑ کر دوبارہ بخاری ہاؤس شفٹ ہو گیا تھا۔وہ ایک تھکے ہارے دن کے بعد جب گھر پہنچا تو اندھیرے میں ڈوبا گھر ہمیشہ کی طرح اسے کاٹنے کو دوڑنے لگا۔ نوحہ گر اس وقت اندھیرے میں ڈوبے لاؤنج کے بیچ و بیچ کھڑا تھا۔

"سمریز میرے بچے۔"نوحہ گر کو اپنے پیچھے سے عالمگیر کی آواز سنائی دی تھی۔اس نے فوراً مڑ کر پیچھے دیکھا۔"چاچو۔"ہونٹ دھیرے سے ہلے تھے۔مگر یہ کیا پیچھے تو صرف دروازے سے جھانکتی سیاہ رات تھی اور اس سیاہ رات میں آسمان پر چمکتا چاند جس کی روشنی اس کے پیچھے مڑنے پر سیدھا اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔بکھرے بال،چاند کی روشنی میں چمکتی تھکن سے لال شہد رنگ آنکھیں اور اپنے چاچو کی پکار سن کر چہرے پر در آنے والی معصومیت۔یہ وہ سمریز نہیں تھا جو پچھلے چھ مہینے سے سب کے سامنے چٹان کی طرح مضبوط بن کر کھڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے چاچو کو بتاؤ۔۔۔چاچو ہیں نے تمہارے ساتھ کیوں پریشان ہو۔" آواز ایک بار پھر آئی تھی۔اس بار یہ آواز اس کے دائیں جانب سے آئی تھی۔اس نے ایک بار پھر فٹ سے چہرا موڑ کر دائیں جانب دیکھا۔وہاں بھی صرف اندھیرا تھا اور کھڑکی سے چھن کر آتی چاند کی ہلکی سی روشنی۔ جس میں اس کا چہرہ پھر واضح ہوا تھا۔شہد رنگ آنکھوں میں آنسو سے جمع ہونے لگے تھے۔

یہ وہ سمریز نہیں تھا جو اپنے چاچو کی خواہش،اپنے چاچو کا بزنس اور اپنے چاچو کا انتقام ہر کام پورا کرنے کی جدوجہد میں لگا تھا۔یہ تو کوئی معصوم بچہ تھا جو اپنے بڑے کی ایک پیار بھری پکار پر رونے کو تیار تھا۔آوازیں پھر آنے لگی تھیں۔

"میرے بچے۔۔۔سمریز کدھر ہو تم۔۔۔کھانا کھایا تم نے۔۔۔سمریز۔۔۔میں ڈھونڈ لوں گا تمہیں۔۔۔آہاں چاچو کو پاگل بناؤ گے۔۔۔کھانا کھایا تم نے۔۔۔میں اس بار تو چلا کر رہوں گا۔۔۔ارے ارے میں گر جاؤں گا پکڑو پکڑو یار۔۔۔میرے بچے۔۔۔تو وہاں ہو تم۔۔۔کیا ہوا میرے بچے کو۔"آوازیں آپس میں گڈمڈ ہو کر کبھی دائیں جانب سے آتیں تو کبھی بائیں جانب سے۔ کبھی چھت سے ٹکرا کر اس کے سر پر بجتی تو کبھی زمین کی گہرائیوں

سے نکل کر کانوں میں صور کی طرح گونجتی۔اور وہ دیوانوں کی طرح ہر طرف نظریں دوڑا دوڑا کر دیکھتا۔"چاچو" ہونٹ ہر آواز پر ایک ہی لفظ پکارتے۔

آنکھوں میں حیرانی سی پھیلنے لگی۔اس اندھیر گھر میں جگہ جگہ عالمگیر چلتے ہوئے نظر آنے لگے۔وہ پریشان نگاہوں سے انھیں دیکھے گیا۔"چاچو" ہونٹوں نے ایک بار پھر دھیرے سے حرکت کی۔"چاچو" اس بار آواز کافی بلند تھی۔مگر اس کی آواز عالمگیر کی آوازوں میں کہیں دب سی گئی۔

عالمگیر کی آواز برداشت سے بڑھنے لگی۔اور ان کے ہیولے یہاں وہاں بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے۔یوں کہ جیسے وہ چھوٹے سمریز کو پکڑ رہے ہوں، کہیں وہ صوفے پر بیٹھے چھوٹے سمریز کو کھانا کھلا رہے تھے تو کہیں وہ اس کی چھوٹی سی سائیکل پر بیٹھے اسے چلانے کی جدوجہد میں تھے۔

اور پھر اچانک اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔کانوں میں عالمگیر کی آواز پگھلے سیسے کی طرح گرنے لگی۔اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے قدم پیچھے کی طرف بڑھائے۔

آنسو آنکھوں سے ابل ابل رہے تھے۔اس نے کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے اور بھاگنے کے انداز میں باہر بڑھا۔جیسے نجات چاہتا ہو،ان آوازوں سے،ان یادوں سے مگر ابھی تو آزمائش

شروع ہوئی تھی اتنی جلدی نجات تھوڑی ملنی تھی۔اور پھر اس نے باہر لان میں آکر گہرے گہرے سانس لیے۔"کہاں جا رہے ہو۔۔۔میرے بچے۔۔۔چاچو کو بتاؤ۔۔۔"آوازا بھی بھی مسلسل کانوں میں صور پھونک رہی تھی۔پیشانی پسینے سے تر ہو چکی تھی۔ان آوازوں میں جھولے کے ہلنے کی آواز بھی شامل ہو گئی۔لوہے کے لوہے سے رگڑے جانے کی آواز پر باقی ہر آواز کہیں پیچھے جا سوئی۔اب صرف ایک آواز تھی جھولے کے ہلکے ہلکے ہلنے کی آواز۔سمریز نے چاند کی روشنی میں اپنے دائیں طرف موجود جھولے کو دیکھا۔چاند کی روشنی سیدھا اس کے چہرے پر پڑی تو اس کا چہرا ایک بار پھر واضح ہوا تھا یہ وہ سمریز نہیں تھا۔یہ تو کوئی نوحہ گر تھا جو مسلسل اپنے پیارے کے مرنے پر گریہ وزاری کر رہا تھا۔اس نوحہ گر کی نظریں جھولے پر جم سی گئیں۔

عالمگیر وہاں ایک ننھے بچے کے ساتھ بیٹھے تھے۔بچے نے ان کے سینے پر سر رکھا ہوا تھا۔اور وہ اپنے ہاتھ میں موجود کتاب سے اسے کچھ پڑھ کر سنا رہے تھے۔کتنا خوش قسمت تھا یہ بچہ۔کتنا خوش قسمت تھا یہ چھوٹا سمریز۔انیس سالہ سمریز اس بچے کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتا چلا گیا۔شہد رنگ آنسوؤں سے بھری آنکھیں چاند کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔

اور پھر وہ چلتا ہوا اس جھولے کے قریب پہنچ گیا۔ہاتھ بڑھا کر عالمگیر کے چہرے کو چھونا چاہا مگر اس کے ہاتھ لگاتے ہی عالمگیر اور ان کے سینے پر سر رکھے وہ خوش قسمت سمریز ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ سمریز نے ایک سسکی سی بھری تھی۔اس کا ہاتھ خود بخود اس کے پہلو میں گرتا چلا گیا اور وہ خود زمین پر وہیں جھولے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔انگلیاں بالوں میں یوں پھنسائی ہوئی تھیں جیسے بال نوچنے لگے گا۔

"میں ہار گیا ہوں چاچو۔دیکھیں آپ کا سمریز آج ہار گیا ہے۔چاچو میں آپ کے محنت سے بنائے گئے بزنس کو سنبھالنے میں ناکام ہو گیا ہوں چاچو۔مجھے آپ کی ضرورت ہے۔واپس آجائیں۔"اس کی آواز بے حد ہلکی تھی۔یوں جیسے خود سے بات کر رہا ہو

"پلیز رحم کریں چاچو مجھ پر واپس آجائیں۔میں اتنا بہادر نہیں ہوں۔میں اکیلے سروائیو نہیں کر سکوں گا چاچو۔سن رہے ہیں آپ واپس آجائیں۔"اس بار وہ چیخا تھا۔پوری قوت سے یوں کہ اس کی پکار لازمی آسمان تک گئی ہو گی۔اور دل سے نکلنے والی پکار چاہے بے آواز ہی کیوں نہ ہو مگر عرش تک جاتی ضرور ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجھے آج ایک بہت بڑی ناکامی ہوئی ہے چاچو۔میں کیا کروں کیسے سب ٹھیک کروں۔ کیسے آپ کا خواب پورا کروں میں۔۔۔۔میں تو پہلی سیڑھی سے ہی گر گیا ہوں منزل تک کیسے پہنچوں گا یار۔۔۔کہاں چلے گئے ہیں آپ۔"وہ اپنے دیوانہ وار بہتے آنسوؤں کے ساتھ بس عالمگیر کو پکارے جا رہا تھا۔اس نے چھ مہینے تک خود کو مضبوط بنا کر کھڑے کیے رکھا تھا۔ قاتل سے ایک ایک درد کا حساب لینا تھا۔مگر آج کی ناکامی اسے توڑ گئی تھی۔نوحہ گر کی یہ رات شاید ایسے ہی گزرنی تھی۔شاید ہر رات ہی ایسے گزرنی تھی۔مگر کب تک۔۔۔

****

صبح کا سورج ایک اور بری خبر لے کر آیا تھا۔پولیس سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا تھا کہ چھ مہینے کی انتھک محنت کے باوجود کوئی بھی ثبوت و گواہ نہ ملنے کی صورت میں کیس کو بند کر دیا گیا ہے۔

"آپ لوگ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔قتل ہوا ہے میرے چاچو کا آپ لوگ ایسے کیسے کیس بند کر سکتے ہیں۔"

سمریز فون پر بات کرتے ہوئے چلا رہا تھا۔غصے کی شدت سے چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"اتنے مہینے گزر جانے کے باوجود کچھ ہاتھ نہیں لگ پایا اور پھر تمہیں بھی کسی پر کوئی شک نہیں ہے۔ تو ایسے میں پولیس کیا کرسکتی ہے سوائے کیس بند کرنے کے۔ اور تو اور ایک دن میں ہزاروں کیس جمع ہو جاتے ہیں ایسے میں اگر ہم پرانے کیسز کو لے کر بیٹھے رہے تو زندگی نکل جائے گی ایک ہی کیس پر۔ ہمارا کام انوسٹیگیشن کرنا تھا جو ہم نے کر لی اب ثبوت نہیں ملے تو ہم کیا کر سکتے ہیں بھلا۔" پولیس اہلکار نے اسے سنا کر فون بند کر دیا۔

سمریز گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھا۔ فون پر چیخنے کی وجہ سے اس کا تنفس بھاری ہو رہا تھا۔ پہلے پہل تو اپنے ہاتھ میں موجود فون کو گھورتا رہا اور پھر زور سے دے کر دیوار میں مارا۔ دیوار پر تو کوئی خاص اثر نہیں ہوا مگر فون ریزہ ریزہ ہو گیا۔ بالکل اس نوحہ گر کے دل کی طرح۔ پھر وہ نوحہ گر زور زور سے چیخنے لگا۔ دیوانہ وار اپنے بالوں کو نوچتے ہوئے۔ کیا کرے وہ۔ قاتل تو اپنا کام کر کے جا چکا تھا پیچھے صرف نوحہ گر بچا تھا اور اس کی نوحہ خوانی چیخوں کی آواز میں جاری تھی۔ ابھی تو نوحہ گر کی پہلے والی نوحہ خوانی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس میں ایک اور ورق کا اضافہ ہو چلا تھا۔ مگر پھر کچھ دیر کی گریہ وزاری کے بعد اس نوحہ خواں کے اپنے بال نوچتے ہاتھ تھم گئے۔ اس کی آنکھوں سے پھسلتا آخری آنسو گال سے لڑھک کر اس کی گود میں کہیں جذب ہو گیا۔ اس کے دماغ میں کچھ کلک ہوا تھا۔ ایک طرف عالمگیر بخاری

کے خواب تھے جنہیں وہ پورا کرنا چاہتا تھا اور دوسری طرف عالمگیر کے قتل کا انتقام جسے وہ ہر حال میں لینا چاہتا تھا۔ان دونوں کاموں کو ایک ساتھ نبھانے میں تو وہ ناکام ہو چکا تھا مگر اب اسے ان دو چیزوں میں سے ایک کو چننا تھا۔خواب یا انتقام۔۔۔خواب یا انتقام۔۔۔ خواب یا انتقام۔۔۔اور پھر اس نے ایک عزم سے سر اُٹھایا تھا۔اس کی آنکھوں میں ناکامی کے آنسو کہیں دور جا سوئے تھے۔اب ان کی جگہ صرف برف سے ٹھنڈے تاثرات تھے۔وہ فیصلہ کر چکا تھا۔وہ خواب اور انتقام میں سے انتقام کو چن چکا تھا۔مگر اس سے پہلے اسے عالمگیر کے بزنس کو سیو کرنا تھا اور اس کام میں ایک شخص اس کی مدد کر سکتا تھا۔۔۔۔شاہد بخاری۔

ہاں اب نوحہ گر ایک بار پھر کھڑا ہو چکا تھا کبھی نہ گرنے کیلئے اس بار وہ واقعی مضبوطی سے کھڑا ہوا تھا کیونکہ پہلے اس نے پولیس سے امید لگائی تھی۔مگر اس بار اس نے خود پر بھروسہ کرنے کا سوچا تھا اور یہ واقعی ایک کامیاب ترکیب تھی۔

ہاں اب نوحہ گر نہیں بلکہ سمریز بخاری کھڑا ہو چکا تھا۔اب قاتل کی باری تھی۔اب قاتل کو سفر طے کرنا تھا۔قتل کرنے سے نوحہ گری کرنے تک کا سفر۔دیکھنا تو یہ تھا کہ یہ سفر کتنا لمبا اور کتنا پیچیدہ ہونے والا تھا

****

جاری ہے

اگلی قسط اگلے ماہ انشاءاللہ

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842